الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

مبارک حسین مصباحی

جون ۲۰۰۹ء

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

۷۸۶

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

زیر سرپرستی:
عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ماہنامہ اشرفیہ

جون ۲۰۰۹ء

جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۶

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ	THE ASHRAFIA MONTHLY	
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴	Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	قیمت عام شمارہ: 15 روپے سالانہ: 150 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام مدرسہ اشرفیہ بنوائیں	کوڈ نمبر —— 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149 الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے دیگر بیرونی ممالک 20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

اداریہ	علماے دین اور سیاست	مبارک حسین مصباحی/صدر الافاضل مرادآبادی	۳

مسائل و مباحث

ردِّ عمل	سادات کی تعظیم اور میر سید عبد الواحد بلگرامی کا مسلک	مولانا تاج محمد خاں ازہری	۸

نظریات

فکر امروز	دعوتِ اتحاد-وقت کا تقاضا یا گمراہ کن افکار کی تصحیح	مولانا محمد اسحاق رضوی	۱۴

تاریخیات

شہدا کی پکار	غدارانِ اسلام کی خوں چکاں داستان	محمد اسماعیل بدایونی	۱۷

تحقیقات

تاریخی شعاعیں	یورپ پر مسلمانوں کے احسانات	مفتی جابر حسین بریلوی مصباحی	۲۲

عزیزیات

بساط سیاست	حافظِ ملت-ایک عظیم سیاست داں	مفتی احمد القادری مصباحی	۲۶
نقش حیات	وقت کی اہمیت حافظ ملت کی نظر میں	شہاب الدین مصباحی	۲۸
سوز دروں	حافظِ ملت-مناقبِ جلیلہ کے آئینے میں	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	۳۰

بزم دانش

فکر و نظر	گلوبلائزیشن اور اسلام	محمد طفیل احمد/مہتاب پیامی	۳۵

آئینہ در آئینہ

اشاریہ	ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۹۳ء	محمد قطب الدین رضا مصباحی	۳۸

ادبیات

نقد و نظر	دعوت نمبر	نیاز احمد مصباحی	۴۴
خیابان حرم	نعت/منقبت/بیادِ شکیل	ڈاکٹر وصی مکرانی/وصال احمد اعظمی مصباحی/حافظ معین الدین مجروح	۴۷

مکتوبات

صداے بازگشت	نفیس اختر نوری/ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی/ ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی/محمد رضی احمد/سید شاہ آلِ رسول حسنین میاں نظمی برکاتی	۴۸

سرگرمیاں

عالمی خبریں	جزیرۂ موریشش افریقہ میں عرسِ اعلیٰ حضرت/ موریشش افریقہ میں جلوسِ محمدی/مولانا قمر بستوی مصباحی کو حسان انٹرنیشنل ایوارڈ		۵۲
خیر و خبر	اہلِ سنت کی تنظیمی اور تبلیغی سرگرمیاں	ابرار عزیزی	۵۴

اداریہ

علماے دین اور سیاست

صدر الافاضل مرادآبادی

مسلمان اپنے ووٹ کو اور موثر بنائیں

مبارک حسین مصباحی

اس وقت پارلیامانی الیکشن سر پر ہے پورا ملک اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہے۔ جمہوری ملک میں ووٹر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اسی پر ملک کی تعمیر وترقی کا دارومدار ہوتا ہے۔ ہندوستانی حکومت کے بنانے اور بگاڑنے میں مسلم ووٹ کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ یہ بات آج یہاں مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہی۔ انھوں نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا کہ مسلمانوں کے پاس کوئی سچی اور نمایاں قیادت نہیں جس کی وجہ سے مسلم ووٹ اپنا موثر وزن قائم کرنے میں ہمیشہ ناکام رہتا ہے اور فسطائی طاقتیں برسر اقتدار آکر مسلمانوں کی عزت وآبرو اور تعلیم ومعیشت کو مسلسل نقصان پہنچاتی ہیں۔ گزشتہ چند برسوں سے مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگا تھا۔ بغیر کسی جرم کے مسلم نوجوانوں کو گرفتار کرنا، ان پر بے بنیاد دفعات قائم کرنا عام بات ہوگئی ہے۔ بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر تو ایک مثال ہے جسے میڈیا نے اچھالا اور لوگوں نے اسے جانا، ورنہ ہر روز ہمارے ملک میں نہ جانے کتنے غلط انکاؤنٹر ہوتے ہیں اور ان کی چیخیں بھی ہمارے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ اس سلسلے میں حکومت کا رویہ افسوس ناک ہے۔ گزشتہ دنوں اعظم گڑھ کا نام اخبارات اور ٹی وی چینلز میں خوب ابھرا۔ اعظم گڑھ کو دہشت گردی کی نرسری بھی کہا گیا۔ اب پھر الیکشن ہمارے سر پر ہے، اب یہ فیصلہ مسلمانوں کو خود کرنا ہے کہ وہ اپنی طاقت کا استعمال متحد ہو کر کرنا چاہتے ہیں یا منتشر ہو کر۔ یہ پوچھے جانے پر کہ موجودہ الیکشن میں اعظم گڑھ کے علما کس طرف ہیں۔ جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جہاں تک علماء کا معاملہ ہے، وہ اپنے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، تاہم مجھ تک جو خبر پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ ضلع اعظم گڑھ کے اکثر علما اکبر احمد ڈمپی کے ساتھ ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اکبر احمد ڈمپی ایک مضبوط سیاسی لیڈر ہیں اگر مسلمان بڑی تعداد میں ان کے حق میں ہیں تو یہ غلط نہیں، اب وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمان کسی پارٹی کا ووٹ بینک نہ بنیں بلکہ مضبوط، سیکولر کنڈیڈیٹ کو ووٹ دیں۔ مولانا نے اپنے بیان میں الیکشن کمیشن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آزادی ہند کے باسٹھ سال بعد ووٹر لسٹ ہندی اور انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی جاری کرنے کا حکم جاری کیا۔'' (روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ)

....

یہ ہے وہ میرا انٹرویو جو راشٹریہ سہارا لکھنؤ میں 12 اپریل 2009 کو شائع ہوا۔ اس میں نہ جامعہ اشرفیہ کا کہیں نام ہے اور نہ تنظیم ابناے اشرفیہ کا، خدا جانے کیوں مبارک پور میں سماج وادی کی ایک میٹنگ میں علماے اشرفیہ کو گالیاں دی گئیں۔ اگر یہ جرم تھا تو صرف میرا۔ حضرت مفتی عبد الحق رضوی، حضرت مفتی بدر عالم مصباحی، حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی اور حضرت مفتی زاہد علی سلامی کو مغلظات کیوں بکی گئیں۔ اور سامعین کے کان اس وقت کھڑے ہوئے، جب تیور بدل کر یہ کہا: ''اگر سیاست کرنا ہے تو مرادآباد واپس جاؤ'' برادرِ گرامی

نے عین اجلاس کے بعد فون پر یہ تمام باتیں سنائیں، مگر میں ہنس کر ٹال گیا کہ ان کا غصہ کچھ کم ہو جائے اور بستر پر دراز ہو گیا کانوں میں حضور حافظِ ملت کے یہ جملے گونجنے لگے: ''ہر مخالفت کا جواب کام، کام، کام۔''

مگر میری قوتِ فکر انگڑائیاں لینے لگی۔ میں نے بار بار اپنے ضمیر سے سوال کیا، کیا واقعی میں نے کوئی جرم کیا ہے۔ کیا مجھے ہندستانی شہری ہونے کی حیثیت سے اتنا بھی حق نہیں کہ اپنی ذاتی رائے کا اظہار کسی اخبار میں کر سکوں؟ کیا اب ہندوستان میں کسی مولوی کو سیاسی رائے زنی کا کوئی اختیار نہیں؟ اگر یہ جرم ہے تو امام احمد رضا محدث بریلوی، صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی، مبلغِ اسلام علامہ عبد العلیم میرٹھی، تاج دارِ اہل سنت مفتی اعظم ہند، جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت، رئیس القلم علامہ ارشد القادری وغیرہ علمائے کبار کی سیاسی بصیرتوں پر کتابیں اور مقالات کیوں لکھے جاتے ہیں۔؟؟؟ اگر ایسا نہیں تو کیا ان علما کو برسرِ عام گالیاں ان کے علمائے دین ہونے کے جرم میں دی گئی ہیں۔ جہاں تک ''جامعہ اشرفیہ'' کا سوال ہے، اس کا سیاست سے نہ کل کوئی تعلق تھا اور نہ آج ہے۔

ابھی میں اس ادھیڑ بن میں تھا کہ اچانک فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت پر نظر پڑ گئی: ''اگر عالم کو اس لیے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے، جب تو صریح کافر ہے، اور اگر بوجہِ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے، گالی دیتا ہے، تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق و فاجر ہے۔ اور اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب، خبیث الباطن ہے، اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔'' (جلد اول، ص: 140/9)

مجددِ اعظم کے یہ کیف آور جملے گلستانِ حدیث سے کشید تھے۔ کچھ ایسا خمار طاری ہوا کہ غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا اور میں غیر اختیاری طور پر نیند کی باہوں میں سما گیا۔ اچانک موبائل کی آواز ابھری۔ دیکھا تو رات کے دو بجے تھے۔ سوچا اتنی رات میں ہم کسے یاد آئے۔ ہو سکتا ہے کسی عابد شب زندہ دار نے ہمیں تہجد میں یاد کر لیا ہو، اسی امید پر ہم نے بڑے تپاک سے سلام کیا۔ سلام کا جواب دیے بغیر بد مست شرابی کی طرح انتہائی کھردرے لہجے میں کوئی بولا – مولانا آپ نے بی ایس پی کی حمایت کی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ سالے گولی مار دوں گا، ہمارے یہاں چار سو روپے پر نوکری کرتے ہو اور ہمارے خلاف سیاست۔ میں نے کہا، اخبار آپ نے پڑھا ہے، اور کیا بغیر پڑھے ہوئے۔ میں نے کہا کس لفظ سے حمایت کی ہے۔......سناٹا...... (کچھ دیر بڑبڑانے کی آواز آئی) اچھا اخبار پڑھ کر فون کروں گا۔ مغلظات کی لوریاں سن کر میں پھر گہری نیند سو گیا۔

فجر کے وقت موذن کی دل نواز صدا نے گدگدایا تو آنکھیں کھل گئیں، مگر سطحِ ذہن پر پھر وہی کرخت آواز ہتھوڑے برسانے لگی۔ ''سیاست کرنا ہے تو مراد آباد چلے جاؤ۔'' نماز سے فارغ ہو کر آیا تو نظر ''ماہ نامہ السواد الاعظم مراد آباد'' پر پڑ گئی اور ہم مراد آباد جانے کی زحمت سے بچ گئے۔ لیجیے پیش خدمت ہے عظیم مفکر و مفسر علامہ نعیم الدین مراد آبادی کی چشم کشا تحریر۔

علمائے دین وارث انبیا ہیں۔ ان کا وجود رحمتِ الٰہی ہے، جس سرزمین پر ایک عالمِ دین رونق افروز ہو وہ رحمت و برکت کا مورد ہوتی ہے اور اس وجودِ مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ بہت سے آفتیں بلائیں، اس خطہ سے دفع فرما دیتا ہے۔ دین کا نظام اسی گروہِ حق کے ساتھ قائم ہے۔ شریعتِ مطہرہ کے یہی محافظ ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ حضرات بہت سادہ زندگی رکھتے ہیں، دنیوی راحتوں اور لذتوں کے سروسامان سے یہ طبقہ عاری ہے، بہت صبر و استقلال کے ساتھ روکھے پھیکے ایام صبر و خوشی کے ساتھ گزارنے پر ان کو ہمت ہے۔ اس پر ملامتوں کا نشانہ بننا، بد گویوں کی زبانِ طعن کے تیر و سنان سے گھائل ہونا، اہلِ دنیا کی کج خلقی کے ستم برداشت کرنا ان کے مردانہ حوصلوں کے لیے بہت معمولی بات

ہے۔ یقیناً اگر دنیا کے دوسرے اشخاص ان کی جگہ پر آئیں اور جس طرح اس مقدس طبقہ پر ہر طرح کے طعن کیے جاتے ہیں ان پر بھی کیے جائیں تو وہ چند روز بھی صبر نہ کر سکیں اور چیخ کر بھاگ جائیں۔ مگر انھیں ابتدا ہی سے صبر و ضبط کی تلقین کی جاتی ہے، مصائب و آلام کے برداشت کرنے پر جری بنایا جاتا ہے۔ طلبِ علم کی دقت، نفس کشی کے اعلیٰ منازل طے کرائے جاتے ہیں اور یقین دلایا جاتا ہے کہ نا کردہ گناہ کے ان پر الزامات لگائے جائیں گے، اربابِ حرص و ہوا ان کے درپے ہوں گے، نفسیات کی بجلیاں ان پر گریں گی اور ان کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا پڑے گا، تب وہ مقصود ہر چیز سے زیادہ مرغوب و محبوب ہے۔ رضائے الٰہی انھیں حاصل ہوگی اور اس اعلیٰ مقصد کے لیے جو قربانی بھی دینی پڑے وہ کم ہے۔

دوسری اقوام کے علما: دنیا کی دوسری قومیں اپنے علما کا کیا احترام کرتی ہیں اور ان کو کس قدر و منزلت کے ساتھ آنکھوں پر بٹھاتی ہیں، یہ کچھ چھپی بات نہیں ہے۔ نصاریٰ اگر چہ کل کے کل نیچری اور مذہب سے بے تعلق ہو چکے ہیں، اور مذہب ان کی نظر میں بے کار چیز اور محض بے کار بلکہ علم و تہذیب کے لیے عار قرار پا چکا ہے۔ رسمی طور پر وہ اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں، اور عیسائیوں کے کچھ مراسم برتتے ہیں لیکن بایں ہمہ پادری اور پوپ وغیرہ اپنے پیشوایانِ دین کی اس قدر عزت و حرمت کرتے ہیں اور ان کے حکم کو ماننے کے لیے ہر منصب و مرتبہ، ہر وجاہت کا شخص ہر وقت گردن جھکانے کے لیے تیار رہتا ہے۔ بادشاہ ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور کروڑوں روپیہ ان پر صرف کر ڈالا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ شخص اس تمام قوم کے لیے عملاً مستحقِ اکرام ہوتا ہے۔

ہندو: مذہبی پیشواؤں کو دیوتا مانتے ہیں اور انھوں نے برہمن کی نسل ہی کو اپنا آقا تسلیم کر لیا ہے، اور جو حقوق برہمنوں کے لیے مقرر کیے گئے ہیں ان کی منوسمرتی میں تفصیل ہے اور ان کا مطالعہ دنیا کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

روافض: اپنے مجتہدین کے ساتھ کس نیاز مندی کا برتاؤ کرتے ہیں، ان کی قوم کا ایک ایک فرد مجتہد کے حکم کو واجب الاطاعت جانتا ہے اور اس سے عدل و انحراف جرمِ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ کسی شہر میں ایک مجتہد کا ورود ہو تو وہاں کے ہر ایک رافضی کے گھر عید ہو جاتی ہے۔ زبانِ طعن کھولنا یا بد گوئی کرنا تو کجا حضرت قبلہ کے سوا ان کا سادہ نام لینا بھی اس جماعت کا کوئی آدمی گوارا نہیں کرتا۔ داد و دہش، جس کو وہ نذر و پیش کش کہتے ہیں، اس کا کیا اندازہ کیا جائے۔ لوگ فخر کرتے ہیں کہ ان کے یہاں حضرت قبلہ نے ورود فرمایا۔

بوہرہ: قوم اپنے پیشوا کو ملا کہتی ہے اور بادشاہ سے زیادہ اپنے ملا کی عزت کرتی ہے اس کے حکم کی تعمیل فرض قطعی جانتی ہے اور اعتقاد رکھتی ہے کہ ملا اس کے تمام مال و اولاد کا مالک ہے۔ اور اسی طرح کا عمل درآمد بھی کرتی ہے۔ اگر ان کا ملا کسی دولت مند کو مفلس ہونے کا حکم دے دے تو وہ شخص ایک حبہ کا مالک نہ رہیگا۔ اس کا مال جسے چاہے عطا کر دے کسی کو حقِ اعتراض نہیں۔ کروڑ پتی بوہرے ملا صاحب کی سواری کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑے چلے جاتے ہیں۔

دعوت فکر: غرض دنیا میں ہر قوم اپنے دینی پیشواؤں کا کمالِ احترام کرتی ہے اور یہی چیز ہے جس سے مذاہب زندہ اور باقی رہتے ہیں اور شیرازۂ ملت منتشر نہیں ہونے پاتا اور قوم کی اجماعی حیثیت محفوظ رہتی ہے۔ ان تمام اقوام میں نئے تعلیم یافتہ بھی ہیں، لیڈر بھی ہیں، پلیڈر بھی ہیں لیکن کوئی بھی اپنے پیشوا یعنی ملت کے عزت و وقار کا دشمن نہیں ہے، کوئی ان کے عزت و منصب کا خواہاں نہیں، کوئی ان کے اثر کو مٹا کر اپنا اقتدار پیدا کرنے کی حرص نہیں رکھتا، کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ ان مذہبی پیشواؤں کے اثر و اقتدار کو ہٹانے ہی میں ہماری عزت ہے، اس لیے وہ تمام قومیں مضبوط ہیں، قوی ہیں، منظم ہیں۔ دنیا میں دنیوی حیثیت سے وزن رکھتی ہیں۔ اگر چہ ان کی تعداد کم ہے مگر ان کا یہ طریقۂ عمل اور مذہب و اہلِ مذہب کے ساتھ گرویدگی ان کو زبردست بنائے ہوئے ہے۔

مسلمان بھی اپنے عروج کے عہد میں پیشوایانِ دین کی بدرجہ غایت تعظیم و تکریم کرتے تھے، ان کی قدر و منزلت اپنی سعادت جانتے تھے۔ ان کے احکام کے سامنے گردن جھکا دینا ان کا شیوہ تھا، علما کی زیارت کے لیے منزلوں سفر کرتے تھے۔ اگر کسی زمین میں کسی عالم کا گزر ہو جاتا تو وہاں کے باشندے اس کو اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔ جب تک مسلمانوں میں یہ خصلت رہی ان کا شیرازۂ اجتماع منتشر نہ ہوا۔ دنیا کی آنکھیں ان کے آفتابِ شوکت و جلال کی شعاعوں سے جھپکتی ہیں۔ عزت و اقبال قدم بوسی کرتے رہے۔ آج جو مسلمانوں پر نکبت ہے، ان کے محاسن ان سے روٹھ گئے، خصائلِ حمیدہ نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، رذائل اخلاق اور بداطواری کا سیلاب امنڈتا چلا آتا ہے، یہ نعمت بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ ادب،

تواضع، حلم، سپاس گزاری، محسن شناسی، قدر دانی کی جگہ نخوت وغرور، خودنمائی، خود بینی، ناقدری، بے مروتی اور سرکشی نے لے لی ہے۔

لیڈر صاحب: مسلمانوں میں ماشاء اللہ لیڈر بہت ہیں۔ اس منصب عالی کے لیے نہ کسی امتحان کی شرط، نہ قابلیت کا کوئی معیار معین، جسے دنیا میں کہیں جگہ نہ ملی، معاش کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آیا اور ہوئے خوش خوراک وخوش پوشاک فیشن ایبل۔ ان کے لیے بہترین کام یہ ہے کہ لیڈر بن جائیں، لیڈر بن کر کہیں تو سر کٹانے جانا نہیں ہوتا، علما اور مشائخ پیشوایانِ دین ومذہب کی مقدس ذاتوں پر حملے کرو اور چین اڑاؤ، انھیں گالیاں دیں اور مسلم لیڈر رہے۔ ان حضرات کے دماغوں میں یہ بات مرکوز ہوتی ہے کہ عامۂ مسلمین، پیشوایانِ دین کے وابستۂ عقیدت ہیں جب تک انھیں علما سے بد ظن نہ کیا جائے گا۔ یہ ہمارے ہتے نہ چڑھیں گے اور وہ بے دینی اور مغربی بے تمیتی جس کے یہ حضرات علم بردار ہوتے ہیں، اس وقت تک رائج ہی نہیں ہو سکتی، جب تک دنیا میں پیشوایانِ دین کا اثر باقی ہے۔ عورتوں کو بے پردہ پھرانا، تھیٹروں میں لے جانا سیر گاہوں پر ان کی عفت کو رسوا کرنا، ہوٹلوں میں حرام وحلال کا امتیاز اٹھانا، یہ جب ہی میسر آئے گا جب علمائے دین کی طرف سے لوگوں کو برگشتہ کرلیا جائے۔ ان کا نصب العین طبقۂ علما کی مخالفت ہے اور اسی کو یہ بہت بڑی مہم جانتے ہیں، ان کے عقیدہ میں ترقی اور کامیابی کا بس یہی ایک ذریعہ ہے۔ علمائے دین اور پیشوایانِ دین سے عداوت کی جائے اب چاہے اس طریقۂ عمل سے عامۃ المسلمین آزردہ خاطر ہوں، رنجیدہ ہوں، ان کے دل دکھیں، قوم میں تفرقہ ہو جائے، جنگ ہوں، فتنہ وفساد اٹھے، یہ سب کچھ گوارا مگر علما کی طرف سے جو آتشِ حسد سینہ میں بھڑک رہی ہے، وہ کسی طرح ساکن نہیں ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے کتابیں تصنیف کی جاتی ہیں، رسالے نکالے جاتے ہیں، تقریریں کی جاتی ہیں اور جہاں موقع مل جاتا ہے تو عملی طور پر بھی اس پاک طبقہ کی ایذا رسانی اور اہانت میں کمی نہیں کی جاتی۔ پھر کس طرح نظامِ قومیت مظبوط ہو۔ جس قوم کے افراد خوں خوار درندوں کی طرح اپنے ہی کو پھاڑ کھانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اس کے فلاح کی کیا امید۔ وہ دوسروں کا مقابلہ کسی تیر سے کرے گی اور اس کے لیے ترقی کی کیا سبیلیں ہوں گی۔ اب ان لیڈروں کی ذہنیت اور ان کے طریقۂ عمل کو دوسری اقوام کے لیڈروں کی ذہنیت اور طرزِ زندگانی سے مقابلہ کیجیے اور پھر یہ دیکھیے کہ مسلمانوں کے عہد کامیابی میں علما کے ساتھ ان کے مقتدر طبقوں کا جو طرز عمل تھا، اس سے موجودہ زمانے کے دعوے داران لیڈری کو کیا نسبت۔ دین اسلام نے علما کی تعظیم وتوقیر اور ان کی اطاعت وفرماں برداری فرض کی ہے اور مسلمانوں کو اس کی بہت تاکیدیں فرمائی ہیں۔ اس طبقہ کو وارث الانبیا بتایا ہے اور ان کی نیند تک کو عبادت ٹھہرایا ہے، ان کی دواتوں کی سیاہی شہدا کے خون کے ہم وزن قرار دی ہے۔ اس حالت میں علما سے بے تعلقی اور ان کی مخالفت قوم کو فلاح وکامیابی تک کیوں کر پہنچنے دے گی۔ نہ دین کے اعتبار سے یہ فعل جائز ہے نہ دنیا کے، پھر اس کو ذریعۂ کامیابی سمجھنا خللِ دماغ نہیں تو کیا ہے؟ خود پسند طبقہ جو اپنی نادانی کو ہمہ دانی سمجھتا ہے۔ جس کو وہ تعلیم یافتہ کہتے ہیں جب وہ دین سے باخبر نہیں تو دین کی حمایت، دین کی حفاظت، دین کا احترام وہ کس طرح کر سکتا ہے۔ یہی صورت تھی کہ وہ علمائے دین کے سامنے سرِ نیاز جھکاتا مگر اس کی خود بینی، خود پسندی اور غرور وخودنمائی اس کو اس سے مانع ہے تو وہ مسلمانوں کے کیا کام آسکتا ہے؟؟؟

شوقِ حکومت: حکومت کا سودا ان کے سروں میں رہتا ہے، بلکہ بعضے تو اس قدر بے دین ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے یا کہلانے کا صرف اتنا ہی فائدہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اوٹ سے ان کو کسی مجلس میں عزت کی کرسی مل جائے۔ انتخابات کے وقت ان حضرات کی وارفتگی اور سراسیمگی قابلِ دید ہوتی ہے۔ ملت کے لیے، قوم کے لیے، اپنے اعزہ واقربا کے لیے اس کا ہزارواں حصہ بھی محنت وکوشش نہ کی ہوگی جو ووٹ حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ ہر شخص کی خوشامدیں، سفارشیں لا رہے ہیں، روپے صرف کر رہے ہیں، رات دن دوڑے پھر رہے ہیں۔ مقابل اگر کوئی دوست ہے تو پاسِ دوستی نہیں، اگر کوئی عزیز ہے تو پروائے قرابت نہیں۔ خانۂ مروت کو پہلے ہی نذرِ آتش کر دیا جاتا ہے۔ اس بات پر نظر نہیں کہ دوسرا مجھ سے زیادہ لائق ہے، زیادہ تجربہ کار ہے، کام کا زیادہ اہل ہے، قوم کو اس سے نفع پہنچنے کی امید ہے، اس لیے اس کے واسطے جگہ خالی کر دیں۔ یہ کہاں؟ پمفلٹ بازی ہوتی ہے واقعی اور غیر واقعی معائب کے طومار شائع کر کے ایک عزت دار آدمی کو مطعون کیا جاتا ہے۔ حرص وجاہ کا یہ جوش راست بازی اور راست پسندی اور انسانی شرافت کو فنا کر دیتا ہے اور آدمی دوسروں کی خوبیوں سے دیدہ ودانستہ منکر ہو کر خودستائی کرتا پھرتا ہے۔ کرایہ کے مداح تلاش کیے جاتے ہیں۔ ایسے حضرات کسی کی عزت وجاہ کو دیکھ سکیں، کسی کی خوبی کا اعتراف کریں، ان سے ایسی امید رکھنا عبث ہے۔ طبقۂ علما کی نسبت تو انھوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ یہ سیاسیات سے قطعی نابلد ہیں۔ ان کو نظم ونسق کے کسی کام میں بھی دخل نہیں دینا چاہیے۔ یہ بھی اسی جذبۂ حرص وآز اور شوق وجاہ کا ایک چٹکلہ ہے۔ علم وفضل والا طبقہ اگر اسی طرف متوجہ ہو گیا تو بہت سی

نشستیں لے جائے گا اور یار لوگوں کے لیے کرسیاں کم رہ جائیں گی۔ علما کا طبقہ جو علمی دقائق کو حل کرنے میں مشاق ہے اور جس کا دماغ بہترین معلومات سے روشن ہو رہا ہے، اگر وہ دنیوی انتظام کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے تو بے کوفت وکلفت ان سے بدرجہا بہتر کام کام انجام دے سکتا ہے۔ مگر وہ طبقہ انکسار، تواضع اور ایثار کا عادی ہے۔ خودنمائی اور جاہ طلبی سے متنفر ہے اس لیے کبھی اس میدان میں قدم نہیں رکھتا۔

علما سیاست کی طرف توجہ فرمائیں

لیکن میں عرض کروں گا کہ علمائے دین وپیشوایانِ اسلام اب قدم اٹھائیں، گوشۂ تنہائی سے نکلیں، اس لیے نہیں کہ انھیں جاہ ملے، یا منصب ملے، اس لیے نہیں کہ حکومت کا مزہ حاصل کریں۔ فقط اس لیے کہ دین کی حفاظت ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی تجاویز کو وہ روک سکیں اور مسلمانوں کے مستقبل کو خطرات سے محفوظ رکھ سکیں۔ جو قانون ایک مرتبہ پاس ہو جاتا ہے پھر اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر اسمبلی میں علما کا بھی کوئی عنصر ہوتا تو ساردا کا قانون پاس نہیں ہوتا۔ مسلم ممبران پہلے ہی سے بیدار کر دیے جاتے۔ لیکن قانون پاس ہونے کے بعد جو کوششیں کی گئیں وہ اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔ طبقۂ علما کا سیاسیات اور ملکی نظم کی طرف سے اغماض کرنا مسلمانوں کو ضرور نقصان پہنچاتا ہے۔ اس وقت گول میز کانفرنس اجلاس کر رہی ہے، ہندستان کے لیے دستورِ حکومت زیرِ تجویز ہے، ہر فرقہ کے نمائندے وہاں پہنچ گئے ہیں، سب نے اپنے اپنے مطالبات کا ایک ایک مسودہ مرتب کرلیا ہے۔ ہر ایک اپنے مقاصد کا ایک نقشۂ نظر کے سامنے رکھتا ہے۔ لیکن ہمیں شکایت ہے اور بجا شکایت ہے۔ ہمارے طبقۂ علما نے آج تک اس کی طرف التفات نہ کیا، جو جو مسودے تجویز میں آئے ان پر نظر نہ ڈالی اور یہ نہ دیکھا کہ اسلام ومسلمین پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے اور اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی فلاح اور مذہب کی حفاظت وحرمت کے لیے کیا امور ضروری ہیں، جن کا موجودہ تجاویز میں اضافہ ہونا چاہیے اور کون سی چیزیں قابلِ احتراز ہیں، ان کی مدافعت لازم ہے۔ ہندستان کا تمام طبقۂ علما اس سرے سے اس سرے تک ساکت وخاموش ہے۔ انھوں نے اس پر نظر ہی نہ ڈالی کیا حیثیتِ دین سے یکسوئی ضروری امر نہیں ہے۔ گزشتہ کو چھوڑیے، اب آئندہ کے لیے تیار رہیے اور مستعد ہو کر نظر ڈالیے کہ دنیا کیا کر رہی ہے۔ مسلمانوں کے مستقبل کے لیے کیا کیا تجویزیں درپیش ہیں، ان کے کیا نتائج ہوں گے، ضروریات کا اقتضا کیا ہے، پہلے جو کچھ رائے ہو اس سے اجتماعی شکل میں اپنے نمائندوں کو باخبر کیجیے، پچھلی غفلت قابلِ افسوس ہے لیکن اگر ابھی اور غفلت رہی تو کام قبضہ سے باہر ہو جائے گا۔ جس طرح ممکن ہو صورت وحالات پر اطلاع پانے کے بعد ایک مسودۂ تجاویز مرتب کیجیے اور جلسوں میں یا ڈاک کے ذریعے سے اس پر دوسرے علما کی آرا حاصل کر کے ایک نقشۂ عمل مرتب فرمایئے، کونسلوں کی کارروائیوں کو بھی دیکھیے اور ممبران کونسل کو جس امر میں توجہ دِلانے کی ضرورت ہو انھیں بزور توجہ دلایئے، یہ بھی دیکھیے کہ ڈسٹرک اور مینسپل بورڈوں میں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو جلد سے جلد مستعد ہو جانا چاہیے اور اگر جماعتِ علما اس طرح میدانِ عمل میں آگئی تو انشاء اللہ العزیز اسلام ومسلمین کی بہت بڑی حمایت ہو سکے گی۔ ستم ہے کہ جاہل عالم نما عالم بن کر میدان میں آئے اور ان کی تعداد سے دنیا کو دھوکا دیا جائے اور ان کی خود رائی اور نفس پرستی کو علما کی رائے قرار دیا جائے اور علما کا پورا طبقہ ساکت وخاموش بیٹھا یہ سب کچھ دیکھا کرے۔ نہ اس کے منہ میں زبان ہو نہ زبان میں حرکت، نہ ہاتھ میں قلم نہ قلم میں جنبش۔ اب آپ کی یہ بے حسی زہد وانکسار کی حد سے گزر کر غفلت وتکاسل کے دائرہ میں آگئی ہے اور اس انداز سکوت سے اسلام ومسلمین کو زبردست نقصان پہنچ رہا ہے۔ اب آپ اس عقیدے کو چھوڑ دیجیے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ کر یا ایک حلقہ میں درس دے کر یا اپنے خلوت خانہ میں فتویٰ لکھ کر ادا ہو جاتے ہیں اور آپ کو اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور بدخواہانِ اسلام تخریب کے لیے کیا کیا تدابیر عمل میں لا رہے ہیں۔ یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اٹھیے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں لگ جایئے۔

نوٹ: ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات پر آئندہ ماہ آپ پڑھیں گے ہم سے لیے گئے تازہ ترین پانچ انٹرویوز جو ملک کے حسب ذیل اخبارات وجرائد نے شائع کیے۔ (۱) نیو ایج ویژن، نئی دہلی (۲) روز نامہ منصف، حیدر آباد (۳) ماہ نامہ جامِ نور، دہلی (۴) Hard News (New Delhi) (۵) بی بی سی لندن اردو سروس۔

بشرطے کہ اس سے پہلے ہمیں موصول ہوں دھمکیاں، گالیاں، گولیاں، بدتمیزیاں

تعظیم سادات
مسائل و مباحث

سادات کی تعظیم اور میر عبدالواحد بلگرامی کا مسلک

مولانا تاج محمد خاں ازہری

ماہنامہ اشرفیہ شمارہ اپریل 2009 میں حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی صاحب قبلہ کا مضمون پڑھا، موصوف کی تحریر سے پتہ چلا کہ وہ ماہ جنوری 2009 میں شائع شدہ میرے مضمون (اسلام میں تغیر نسب ایک جائزہ) سے اختلاف رکھتے ہیں۔ کسی کی بات یا نظریہ و فکر سے اختلاف ہونا یہ فطرت انسانی ہے، ضروری نہیں کہ انسان کسی کی فکر سے کلیۃً اتفاق کرے۔ ہاں البتہ یہ ضروری ہے کہ اختلاف کا انداز طعن و تشنیع اور استہزاء و تنقید مذموم سے منزہ نیز انسانیت اور اخلاق کے دائرے میں ہو۔ ویسے تو میں غیر مناسب سوالات کے جواب دہی کا ہرگز قائل نہیں چونکہ میرا ماننا یہ ہے کہ میں نے تو اپنی فکر اور بات سپرد قرطاس کردی اب خذ ما صفا و دع ما کدر (جو بات پسند آئے اسے لے لیجیے، اور جو ناپسند ہو اسے ترک کردیجیے) یہ کام قاری کا ہے۔ مگر یہاں قارئین اشرفیہ کو ورغلانے کی غرض سے بات ہی کچھ ایسی چھیڑ دی گئی ہے کہ جواب دینا ناگزیر ہوگیا ہے، لہذا یہ جواب محض میں اپنے موقف کی وضاحت نیز میری تحریر کا لوگوں کے درمیان غلط تاثر پھیلانے کی جو کوشش کی گئی ہے اس کی تصحیح کی غرض سے تحریر کررہا ہوں۔ ورنہ جماعت میں کسی نئے اختلاف کا دروازہ کھولنا ہرگز میرا مقصد نہیں۔ بہر حال مولانا موصوف ساتھ ہی قارئین اشرفیہ کی خدمت میں چند معروضات ہیں امید ہے کہ ان پر غور فرمائیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے وہ مضمون صحیح النسب سادات کرام کی تنقیص کے ہدف سے نہیں بلکہ ان افراد کے متعلق قلم بند کیا تھا جو کہ اپنا نسب عمداً تبدیل کرتے ہیں، اور عوام کے مابین ان کا حقیقی نسب (غیر سید ہونا) معروف ہے۔ اور اس بات کا واضح ثبوت خود اس مضمون کا عنوان (اسلام میں تغیر نسب ایک جائزہ) ہے۔ حضرات سادات کرام کے تعلق سے چند جملے تو یونہی ضمناً محض بغرض اصلاح دوران تحریر آگیے تھے، اور یہ بات تمام اہل خرد بخوبی جانتے ہیں ع: نشتر جو لگاتا ہے دشمن نہیں ہوتا۔ شائد یہی وجہ ہے کہ حضرات سادات کرام میں سے کسی نے بھی اب تک براہ راست مجھ سے عدم رضا کا اظہار نہیں فرمایا، ہاں۔ بفضل اللہ تعالیٰ۔ بعض حضرات نے رضامندی کا اظہار ضرور فرمایا ہے۔ ان کی شان میں گستاخی کا قصد ہرگز میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔ حضرات سادات کرام کی دست بوسی و قدم بوسی میرے آبا و اجداد کرتے آئے ہیں، اور میں خود سن شعور سے ہی ان کی تعظیم کرتا آیا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ تاحیات کرتا رہوں گا۔ سادات کرام کی اہانت ہمارا شیوہ نہیں ہے اور نا ہی کسی اہل ایمان کا ہونا چاہیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ انصاف کی نگاہ سے میری اس تحریر کو دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ وہ حضرات سادات کرام کی حمایت و تائید میں ہے نہ کی تنقیص و توہین میں۔ اس لیے کہ زمرۂ سادات میں یومیہ سیکڑوں غیر سادات کی بھرتی سے صحیح النسب سادات کرام کی قدر بھی عوام کے درمیان مجروح ہورہی ہے، اور ان جعلی سادات کی وجہ سے حقیقی سادات کرام بھی بعینہ اسی طرح بے قدری کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے ہیں جس طرح سے عروس البلاد شہر ممبی میں مدارس اسلامیہ کے ایماندار اور حقیقی سفرا شکوک و شبہات کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور یہ صرف اور صرف بعض فریبی، ضمیر فروش اور اپنا پیٹ پالنے والے چندہ خوروں کی وجہ سے۔ غلام اگر اپنے آقا کو اس کے فرائض منصبی کی یاد دہانی کرائے تو اہل خرد غلام کی اس حرکت کو گستاخی پر محمول نہیں کرتے بلکہ کمال محبت کی دلیل سمجھتے ہیں، اس لیے کہ انسان جب کسی سے قلبی عقیدت رکھتا ہے اور حقیقی محبت کرتا ہے تو اسے بہر صورت بلند مقام پر دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن نہ معلوم آپ کا ذہن ان مثبت پہلوؤں کی جانب کیوں نہ گیا! بلکہ اس کے برعکس ایسا مسئلہ چھیڑ دیا جو کبھی میں نے وہم و گمان میں بھی نہ سوچا تھا۔ خدا جانے اس کے پیچھے کونسی مصلحت کارفرما ہے۔ میری تحریر کی مثال تو اک دوا کی طرح ہے جو کڑوی تو ہے مگر اس میں شفا کا راز مضمر ہے، (اگر اجازت ہو تو تحریر کروں) جبکہ آپ کی تحریر زہر آلود اس شہد کے مثل ہے جس کا ذائقہ میٹھا تو ہے مگر اس کا نتیجہ ہلاکت و تباہی ہے۔ یہ میں نے اس لیے کہا کیونکہ میری تحریر گو کہ بظاہر تلخ ہے مگر علم و عمل، اخلاص، زہد و تقویٰ اور بلندی اخلاق و کردار کی جانب دعوت دیتی ہے۔ اور آپ کی تحریر بظاہر اگرچہ میٹھی ہے مگر بباطن بے عملی، ناخواندگی اور بداخلاقی کا پیغام دیتی ہے۔ بالجملہ آپ کی تحریر ان فضائل و اعمال اور صفات حمیدہ سے انسان کو بعید کرتی ہے جن کے وجود سے انسان کی قدر و منزلت دوبالا ہوتی ہے۔ اور یہ بات ہر دانشمند جانتا ہے کہ دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوتا ہے۔ اسلام میں مصلحت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، شریعت مطہرہ میں اس کا اعتبار ہی اس کے اہمیت کی بین اور واضح دلیل ہے۔ اس مقام پر مصلحت کا تقاضہ یہی تھا کہ اگر آپ واقعی

E-mail: mtaj75@yahoo.co.uk / taj75@gmail.com

حضرات سادات کرام کے تئیں مخلص تھے تو اس مسئلے کو نہیں چھیڑنا تھا، یہ اس لیے نہیں لکھ رہا ہوں تاکہ میں گرفت سے بچ جاتا، بلکہ اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی اس تحریر کے منفی اثرات بایں طور مرتب ہوں کہ شہزادگان (سید زادوں) کے دماغ میں جو یہ خیال گھر کر گیا ہے کہ پڑھ لکھ کر کیا ہوگا علم و عمل کے وجود و عدم سے ہمیں کیا نفع و ضرر، ہم تو قبل اور بعد بہر صورت افضل اور قابل تعظیم ہیں، اس فکر کو مزید تقویت پہونچے گی، اور اس فکر سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا وہ اہل خرد سے مخفی نہیں ہے، مگر آپ کو ان باتوں سے کیا غرض! اگر کچھ غرض ہے تو اپنی خوش عقیدگی کے اظہار سے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ محبت کا حق میں نے ادا کیا ہے آپ تو نہ معلوم اس ظاہری خوش نما تحریر کے پس پردہ کس پرانی عداوت کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ بہر حال جب آپ نے چھیڑ ہی دیا ہے تو آپ کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ع:
شائد کے تیرے دل میں واتر جائے میری بات۔

آپ کو میری تحریر سے تو اختلاف ہوسکتا ہے مگر کسی سید کی تحریر سے تو اختلاف نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جب آپ بحالت فسق و فجور بھی تعظیم کے قائل ہیں تو بحالت زہد و اتقا بدرجہ اولیٰ ہوں گے لہذا آیئے آپ کی خدمت میں ایک ایسی عظیم شخصیت کی تحریر پیش کروں جو سادات سے ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و ورع کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز ہیں اور ان کی اس تصنیف کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شرف قبولیت بھی حاصل ہے جیسا کہ اس کتاب کے ناشر حافظ محمد قمر الدین رضوی اور صاحب مقدمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری، صدر شعبۂ اردو، فیڈرل گورنمنٹ اردو کالج کراچی نے کتاب کے صفحہ نمبر 42 پر ذکر فرمایا ہے۔ اور تائید میں اصح التواریخ جلد اول ص:168، ماثر الکرام ص:29، اور کاشف الاستار ص:41 کا حوالہ بھی نقل کیا ہے۔ لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا ہر ہر جملہ بلکہ ہر ہر لفظ شریعت اور شارع علیہ السلام کے منشا و ارادہ کے عین مطابق ہے تبھی تو بارگاہ خیر الانام میں مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ آپ نے اپنے مضمون میں جن کتب کا حوالہ ذکر فرمایا ہے میں سمجھتا ہوں کہ شائد یہ کتاب ان سے قبل تالیف ہوئی ہے۔ ڈاکٹر محمد ایوب صاحب نے کتاب کے صفحہ نمبر 39 پر تحریر فرمایا ہے کہ یہ کتاب یعنی سبع سنابل شریف 969 ہجری میں تالیف ہوئی ہے۔ کتاب کا نام ہے سبع سنابل شریف اور اس کے مصنف ہیں میر سید عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ والرضوان، مترجم: مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، یہ کتاب 2007ء میں رضا اکیڈمی ممبئی نیز رضوی کتاب گھر دہلی کے باہمی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے ٹائٹل پیج اور داخلی صفحات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس امر کی جانب بھی آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ کتاب میں بعض مطبعی اخطا ہیں، میں یہاں محض ناقل ہوں لہذا کتابت کی غلطیوں کا ذمہ دار نہیں۔ قارئین کرام بجائے اس کے کہ میں از خود کچھ تحریر کروں مناسب یہ ہوگا کہ حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کی تالیف سبع سنابل شریف سے ماخوذ (مختلف و متعدد مقامات سے منتخب) ذیل کے اقتباسات پیش کردوں تاکہ ان کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا موقف واضح ہوجاے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ مزید وضاحت کے لیے وقت نکال کر سبع سنابل شریف کے پچیس صفحات (از صفحہ 79 تا 104) کا مطالعہ فرمالیں، تاکہ باقی شکوک و شبہات کا بھی ازالہ ہوجاے اس لیے کہ طوالت کے خوف سے بعض چیزیں یہاں نقل نہیں کی گئی ہیں۔ حضرت میر صاحب قدس سرہ کی تحریر ملاحظہ فرمائیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

"....جس زمانہ میں میں یہ رسالہ سبع سنابل لکھ رہا تھا ہمارے وطن کے یہ سادات ایک مسئلہ ظاہر کرتے تھے جو مذہب اسلام کے مخالف تھا اور ایک عقیدہ بیان کیا کرتے جو عقائد علم کلام اور خاتمہ بالخیر سے خارج تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جس طرح عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے لیے دخول جنت اور خیریت خاتمہ بالخیر کا قطعی حکم ہے اسی طرح دنیا کے تمام سادات خاص و عام کے لیے دخول جنت اور خیریت خاتمہ کا قطعی حکم ہے اگر چہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں یا حرام میں مبتلا۔ تارک نماز ہوں یا روزوں سے بری۔ اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ لیکن وہ (یہ نہیں سمجھتے) کہ عشرۂ مبشرہ کے لیے اگر چہ دخول جنت اور خیریت خاتمہ کا قطعی حکم تھا مگر اس کے باوجود بے خوف اور بے غم نہ تھے اور انہوں نے خوف و ہیبت کے مقام کو نہ چھوڑا تھا جب کہ نام کے ان سادات نے مقام خوف و ہیبت چھوڑ کر بے خوفی اور لاپرواہی کے پیروں پر کھڑے ہوکر شور و غل مچا رکھا ہے اسی لیے مجھے اس مسئلے میں چند باتیں کہنے کی ضرورت پیش آئی"۔ (سبع سنابل شریف ص:97)

اب آپ حضرات انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں یکے بعد دیگر حضرت میر علیہ الرحمہ کی وہ چند باتیں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور یہ خیال رہے کہ صاحب تحریر خود سادات سے ہیں۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنوں کا خیر خواہ ہوتا ہے اور اپنوں کے بارے میں ہمیشہ راست گوئی و حق بیانی سے ہی کام لیتا ہے۔ اسی پس منظر میں حضرت بلگرامی علیہ الرحمہ کی مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

"... یہ فقیر بھی سادات ہی سے ہے تو جو بات اپنے اور اپنوں سے کہے گا بجز اخلاص اور خیر خواہی کے کچھ نہ ہوگا (تو یہ کہنا کہ) فرزندی کی جو (بظاہر) نسبت انہیں [حضرات سادات کرام کو] رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس نسبت کی شرافت کو درمیان میں آڑ بنا لیتے ہیں اور جو نسبت (ظاہرا) انہیں علی مرتضی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہے اس کے شرف اور فضل پر پھول کر اس نسبت پر ایسا اتراتے ہیں گویا کہ اللہ تعالی کی بے نیازی سے لاپرواہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ سید اگر کبائر کا مرتکب، اور شراب نوشی کا عادی ہو۔ یا بظاہر کافر بت پرست اور زنار باندھنے والا ہو یا عیسائیوں کی طرح تین خدا مانے یا دہریا کی طرح صانع عالم کا انکار کرے ۔غرض جو کچھ ہو اس کے ایمان کو کفر اور شرک کی باتوں سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا اور اس کے دین کو زنا چوری اور باقی گناہ کبیرہ سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ اور یہ سب کچھ علی مرتضی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ والی نسبت پر پھول کر کہتے ہیں اور رسول خدا علیہ وعلی آلہ الصلوہ والتحیہ کے شرف اور فضل کو بہانہ بناتے اور وسیلہ تراشتے ہیں۔ کفر اور ایمان کو نہیں پہچانتے اور اللہ تعالی کے قہر سے نہیں ڈرتے..."۔ (سبع سنابل شریف ص:80)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اور تمام انبیا اولین و آخرین کے سردار ہونے کے باجود اتنی عبادت و ریاضت فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک میں ورم آجاتا تھا، اور تقوی و پرہیزگاری نیز حسن خلق کے متعلق ارشاد فرمایا: أثقل مایوضع فی المیزان یوم القیامه تقوی الله وحسن الخلق، یعنی بروز قیامت میزان میں سب وزنی چیز خوف الہی اور حسن اخلاق ہوگا۔ مگر موصوف آپ کے گمان میں محض نسبت ہی سب کچھ ہے، اعمال حسنہ اور اخلاق و کردار تو آپ کے نزدیک کوئی وقعت رکھتے نہیں، لہذا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجیے کہ خود ایک سید نے عمل کو کتنی اہمیت دی ہے:

"اور خاتمہ بالخیر کا حکم قطعی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھروسہ پر لگاتے ہیں اس لیے کہ خود کو مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے شمار کرتے ہیں تو یہ بھی باطل ہے اس لیے کہ حضور نے حضرت فاطمہ سے کہ آپ کی صلبی اور حقیقی صاحبزادی ہیں ارشاد فرمایا لا تتکی أنی بنت رسول الله اعملی اعملی اعملی۔ کہ فاطمہ اس پر بھروسہ مت کرنا کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی ہوں عمل کرو، عمل کرتی رہو، عمل میں سرگرم رہو۔ پس یہ خطاب ان سادات پر کہ نہ صلبی فرزند ہیں اور نہ حقیقی بدرجہ اولی وارد ہے۔ اور ہاں دیکھو تو یہ تو حضور سب سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ "اس پر مت اتراؤ کہ ہم رسول خدا کے فرزند ہیں عمل کرو، عمل کرو، عمل کرو"۔ منقول ہے کہ جس روز آیت و أنذر عشیرتك الأقربین نازل ہوئی۔" یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل بیت کو بلایا اور ہر ایک کو عذاب الہی سے ڈرایا اور خوف دلایا۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا "اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اس پر بھروسہ مت کرنا کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی ہوں، اچھے عمل کرو، اچھے عمل کرو"۔ اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت امام حسن اور امام حسین سے فرمایا کہ اے محمد کے جگر کے ٹکڑو! الجنه للمطیع و ان کان عبدا حبشیا والنار للعاصی وان کان سیدا قریشیا۔ جنت فرماں بردار کے لیے ہے اگر چہ وہ غلام حبشی ہو اور دوزخ نافرمان کے لیے ہے اگر چہ وہ سید قریشی ہو"۔ اس کے بعد ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تمہارے لیے یہی آیت کافی ہے جو تمہارے حق میں نازل ہوئی ہے کہ یا نساء النبی من یات الآیہ" اے نبی کی ازواج تم میں سے جو کوئی ایک کھلا ہوا جرم کرے گا اس پر دوگنا عذاب کیا جائے گا اور یہ اللہ تعالی کے لیے آسان ہے"۔ اس پر اہل بیت سے ایک شور وغل اٹھا۔

اے برادر اگر تمام انبیا اور رسول مل کر ایک ایسے بندہ کی شفاعت کریں جس سے اللہ تعالی راضی نہیں تو کچھ فائدہ نہ ہو چنانچہ مخدوم شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ بیت

اگر خدائے نہ باشد ز بندہ خوشنود
شفاعت ہمہ پیغمبراں نہ دارد سود

اگر اللہ تعالی ایک بندہ نافرمان سے راضی نہ ہو تو تمام پیغمبروں کی شفاعت سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تو ایسے مقام میں جہاں انبیا اور پیغمبر خوف کھاتے اور گھبراتے ہوں وہاں اس نسبت کا پیوند کیا کام دے سکتا ہے"۔ (سبع سنابل شریف ص:88-87)

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو جس میں حضرت میر صاحب قدس سرہ نے حضرات سادات کرام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے:

"برادرم ایمان بہترین سرمایہ اور بڑا قیمتی متاع ہے اور جس کا دل اللہ تعالی نے ایمان کی روشنی سے چمکا دیا اسے یقین ہے کہ نسبتوں کی مشعل کی روشنی، گمراہی اور نافرمانی کی آندھی کے غبار میں ماند پڑ جاتی ہے اور سیادت کے چراغ کا نور ضلالت اور بدعت کی ہوا میں نہیں ٹھہرتا"۔ (سبع سنابل شریف ص:92)

مندرجہ ذیل اقتباس بغور ملاحظہ فرمائیں اور اس کی روشنی میں اپنے موقف کی صحت کا تجزیہ خود فرمائیں:

"فصل الخطاب میں یہ بھی ہے کہ اہل بیت کی جانب منسوب نہ ہوگا مگر پاکیزہ خصال۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جوان کی جانب منسوب ہو وہ ان سے مشابہ بھی ہو۔ لہذا ان کی جانب اسی کی نسبت کی جاتی ہے جس کی طہارت اور بزرگی کا حکم موجود ہو۔ اسی میں ہے کہ اس بارے میں ایک روایت بھی مروی ہے کہ حضور علیہ الصلاہ والسلام سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کے وہ کون قرابت دار ہیں جن کی تعظیم اور محبت ہم پر واجب ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ علی فاطمہ اور ان کے بیٹے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ چار ہی مزید تعظیم کے ساتھ مخصوص"۔ تو آپ نے مزید تعظیم اور محبت کا حصہ انہیں چار میں کیا نہ کہ دنیا بھر کے تمام سادات کا۔ لھذا ایمان کا کمال، طہارت کے کمال کی وجہ سے ہے نہ کہ سیادت کی نسبت سے۔ اور اگر سیادت میں طہارت نہ ہو تو نسبت منقطع ہو جاتی ہے اور وہ پیوند قابل اعتبار نہیں رہتا جیسا کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے سے نسبت پسری اور پدری ساقط ہوگئی اور خدائے قدوس نے ارشاد فرمایا کہ انه لیس من أهلك، انه عمل غیر صالح۔ وہ تمہاری اولاد سے نہیں بے شک اس کے لچھن بہت خراب ہیں۔

رہی وہ بات جو بعض احمق کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے اس لیے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے برتر ہیں تو وہ اتنا بھی جانتے کہ یہاں قیاس کا کام ہی نہیں اس لیے کہ رب تبارک وتعالی نے ازواج مطہرات کی تہدید کے لیے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیبیوں کی تمثیل بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ بھی پیغمبروں کی بیویاں تھیں لیکن جب انہوں نے دین میں خیانت اختیار کی۔ ہم نے دونوں کو جہنم میں داخل فرما دیا۔ یہاں بھی وہ احمق اللہ تعالی پر یہ اعتراض کریں کہ تیرا مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا، دوسرے پیغمبروں کی بیویوں پر قیاس کیسے درست ہو سکتا ہے"۔ (سبع سنابل شریف ص:95-94)

یہاں توجہ کا خصوصی طالب ہوں چونکہ ذیل کے اقتباس میں حضرت میر علیہ الرحمہ نے بھی وہی آیت کریمہ پیش فرمائی ہے جس سے میں نے اپنے مضمون میں استدلال کیا تھا۔ لیکن وہاں غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر یہاں تو ایک سید نے استدلال فرمایا ہے لہذا اب دیکھیے یہاں کیا ہوتا ہے؟

"اے گروہ سادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرزندی کے شرف پر گھمنڈ اور غرور مت کرو کہ تمام نسبتیں دنیا میں جان پہچان کے لیے ہیں۔ آخرت کی بزرگی صرف تقوی پر ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ یاأیها الناس انا خلقنکم من ذکر و أنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ ان أکرمکم عند الله أتقاکم۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہیں کنبے اور قبیلے میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سب سے زیادہ کرامت والا وہ ہے اللہ کے نزدیک جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہے"۔ لہذا دینی عزت کا ثبوت تقوی سے ہے نہ کہ سیادت سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزندی کے ظاہری پیوند سے۔ حضور علیہ الصلاہ والسلام نے فرمایا ہے۔ لو کان فی بلد ولدی والناس أتقی منه فلیس منی۔ اگر کسی شہر میں میرا کوئی فرزند ہے اور دوسرے لوگ اس سے زیادہ پرہیزگار ہیں تو وہ میرا نہیں "۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ انما یتقبل الله من المتقین۔ اللہ تعالی پرہیزگاروں سے ہی قبول کرتا ہے"۔ تو قبول کا انحصار تقوی پر رکھا نہ کہ نسبت اور سیادت پر۔ اور فرمایا وتزودوا فان خیر الزاد التقوی۔ کہ لوگو توشہ بنا لو اور تحقیق کہ بہترین زاد راہ تقوی ہے"۔ یہاں بھی آخرت کا توشہ تقوی فرمایا نہ سیادت اور نہ نسبت۔ اور فرمایا ان أولیاء ہ الا المتقون۔ اس کے دوست نہیں مگر متقین۔ تو بندہ کی اللہ تعالی کے ساتھ دوستی تقوی پر منحصر ہے نہ کہ انساب پر"۔ (سبع سنابل شریف ص:103-102)

جس کردار و عمل کی حضرت مولانا ساجد صاحب کی نظر میں نسبت کے سامنے کوئی وقعت نہیں ہے۔ حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ والرضوان اس کی اہمیت کو سبع سنابل شریف کے صفحہ نمبر 90 پر مندرجہ ذیل قطعہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

بخشی قابل نکوے شو :: خوان ادبار، فائدہ نہ دہد
گر تو نیکو نہ، ترا ہر گز :: نسبت نیک مائدہ نہ دہد

اے بخشی نیکی کے قابل بن جاؤ کہ بدبختی کا دسترخوان کوئی کھانا نہیں دیتا۔ اگر تو خود نیک نہیں ہے تو تجھے نیک نسبت بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی"۔

حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کی حق اور حقیقت نما تحریروں کے پیش کرنے کے بعد آیئے اب ایک نظر موصوف کی تحریر پر بھی ڈالا جائے۔ حضرت مولانا ساجد رضا صاحب نے اپنے مضمون میں صفحہ نمبر چھ پر ابن حجر ہیتمی مکی علیہ الرحمہ کی تحریر نقل فرمائی ہے:" ثم اذا تقرر ذلك فمن علمت نسبته الی آل بیت

النبوی والسر العلوی لایخرجه عن ذلك عظیم جنایته ولاعدم دیانته وصیانته۔"یعنی جس کی نسبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے، بڑا سے بڑا گناہ، عدم دیانت وصیانت انہیں اس منصب سے نہیں نکال سکتا۔"

میں سمجھتا ہوں کہ اس عبارت کے ذکر کی یہاں چنداں حاجت نہ تھی اس لیے کہ میں نے کبھی یہ دعوی ہی نہیں کیا کہ معصیت اور ارتکاب گناہ سے سادات کرام نسبت سیادت سے عاری ہو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ تو ایک ادنی فہم رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ ارتکاب معاصی سے جب ایک خان یا پٹھان اپنی ذات اور برادری سے خارج نہیں ہوتا ہے تو بھلا ایک سید کیسے خارج ہو سکتا ہے لہذا یہ استدلال برمحل نہیں ہے۔ موصوف نے اسی صفحہ چھ کے آخر میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی یہ تحریر پیش کی ہے: "یعنی فضیلت کا معیار صرف اور صرف نسب ہی کو نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ نسبت کی فضیلت کوئی فضیلت ہی نہ ہو..." یہی تو میرا بھی موقف ہے۔ نسبت بہت کچھ ہے اس سے ہرگز انکار نہیں، لیکن نسبت ہی سب کچھ ہے یہ بات محل نظر ہے، اس لیے کہ تقوی و اعمال صالحہ کی بھی اپنی ایک اہمیت و حیثیت ہے جسے قرآن مقدس نے معیار کرامت و بزرگی قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں میرا موقف امام اہل سنت کے موقف کے عین مطابق ہے۔ کسی طرح کا تصادم ہرگز نہیں۔ ایسی ہی ایک مثال اور ملاحظہ فرمائیں۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے حاجی پیر محمد صاحب نے چند سوالات کیے تھے انہیں میں ایک سوال یہ بھی تھا: "ایک جلسہ میں دو مولوی صاحبان تشریف رکھتے ہیں ایک ان میں سے سید ہیں تو مسلمان کسے صدر بنائیں"؟ (فتاوی رضویہ مترجم، ج 22، ص:420 ناشر مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر گجرات)

اعلی حضرت علیہ الرحمہ اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "اگر دونوں عالم دین سنی صحیح العقیدہ اور جس کام کے لیے صدارت مطلوب ہے اس کے اہل ہوں تو سید کو ترجیح ہے ورنہ ان میں جو عالم یا علم میں زائد یا سنی ہو اور دونوں علم دین میں مساوی ہوں تو جو اس کام کا زیادہ اہل ہو۔ الا تری أن الأحق بالامامه الأعلم وما عد شرف النسب الا بعد وجوده وقد قال ﷺ اذا وسد الأمر الی غیر أهله فانتظر الساعه۔ رواه البخاری۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ امامت کے زیادہ لائق وہ شخص ہے جو سب سے بڑا عالم ہو، اور شرافت نسب کا شمار نہیں کیا جاتا مگر اس کے پائے جانے کے بعد۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی کام کسی نااہل کے حوالے کیا جائے تو قیامت آنے کا انتظار کیجیے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج22، ص:423 ناشر مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر گجرات)

امام اہل سنت کے اس جواب کی روشنی میں آپ خود غور فرمائیں کہ اگر نسبت ہی سب کچھ ہے اور سادات کرام بہر صورت قابل تعظیم ہیں تو سید صاحب کو بہر حال مقدم رکھنا چاہیے تھا، خواہ وہ عالم دین، سنی صحیح العقیدہ ہوتے یا نہ ہوتے، اس لیے کہ اسی میں ان کی تعظیم ہے، آپ خود ہی غور فرمائیں کہ اعلی کی موجودگی میں ادنی کو مقدم کرنا اعلی کی توہین ہے کہ نہیں؟

یہ تو تھی صرف ایک جلسہ میں صدارت کی بات۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز کا وقت ہے دو لوگ موجود ہیں، ایک ان میں سے سید صاحب ہیں (معاذ اللہ۔ فرضا) جو ناخواندہ ہیں، ان کے اعمال درست نہیں، وہ ارتکاب معاصی سے اجتناب نہیں کرتے، شریعت مطہرہ پر عمل پیرا نہیں، بالجملہ ان کا عقیدہ و اعمال ناقابل ذکر ہیں۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جس کا تعلق پسماندہ ذات اور برادری سے تو ہے لیکن متقی و پرہیز گار ہے، عالم دین ہے اور شریعت پر عامل بھی، یعنی اس کے اندر تمام محاسن و خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تو اب ایسی صورت میں از روئے شرع امامت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آیا سید صاحب محض اپنی نسبت سیادت کی بنیاد پر یا پھر وہ چھوٹی ذات سے تعلق رکھنے والا اپنے علم و تقوی کی بنیاد پر؟ اس مسئلے میں شریعت اور اعلی حضرت علیہ الرحمہ کا کیا موقف ہے؟ فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔

ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں اور عرض کرنا چاہوں گا۔ فرض کیجیے اگر کسی سید صاحب نے اتنی بڑی چوری کی جس کی بنیاد پر وہ حد سرقہ کے مستحق ہوں، تو ان کی نسبت سیادت کا احترام کرتے ہوئے حد سرقہ قائم کی جائے گی یا نہیں؟ اگر حد قائم کی جاتی ہے تو یہ ایک سید کی بر سر عام واضح اہانت ہے اور ان کی نسبت کا کوئی احترام نہیں کیا جا رہا ہے، اس لیے کہ حد کا قیام جب غیر سادات کے لیے اہانت اور تنقیص شان ہے تو سادات کرام کے حق میں بدرجہ اولی ہے۔ آپ بخوبی واقف ہوں گے کہ عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قبیلہ مخزوم کی ایک معزز خاتون نے سرقہ جیسے جرم کا ارتکاب کیا، تو قبیلے والوں نے حد کا قیام باعث ننگ و عار سمجھا لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور متبنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس سفارش کی درخواست کی۔ اور اگر سید صاحب کی نسبت سیادت کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر حد سرقہ قائم نہیں کی جا رہی ہے تو پھر رسول پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا جواب ہوگا؟ جو آپ نے حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کے سفارش کے وقت فرمایا تھا: "أ تشفع فی حد من حدود الله یا زید؟ والله لو سرقت فاطمه بنت محمد لقطعت یدها اے زید اللہ کی جانب سے مقرر کردہ حدود میں سفارش کرنے آئے ہو، خدائے وحدہ لاشریک کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ مزید فرمایا: تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے ہلاک و تباہ ہو گئیں کہ ان میں سے جب کوئی طاقتور کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اسے نظر انداز اور معاف کر دیا جاتا اور اگر وہی جرم کوئی لاغر و کمزور کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے"۔ غور فرمائیں یہ وہی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ہیں جنہیں شہزادی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ وہی مقدس خاتون ہیں جو خواتین جنت کی سردار ہیں نیز جنتی نوجوانوں کے سردار کی ماں ہیں، جو سادات کرام کی اصل اور منبع و سرچشمہ ہیں۔ مگر شارع علیہ السلام کا حکم ان کے بھی حق میں کیا تھا! اس کی روشنی میں اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ دیگر حضرات کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

آپ نے مضمون کے آخر میں میری جس غلطی کا انکشاف کیا ہے اس کے لیے آپ کو معذرت کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس جانب میری توجہ مبذول کرائی۔

میری کمزوریوں پر جب کوئی تنقید کرتا ہے
وہ دشمن کیوں نہ ہو اس سے محبت اور بڑھتی ہے

حضرت امام قرطبی (رحمہ اللہ تعالی علیہ) اپنی تفسیر کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں: ان من برکة العلم ان یضاف القول الی قائله ...یعنی قول کو اس کے حقیقی قائل کی جانب منسوب کرنے سے علم میں برکت ہوتی ہے، حضرت امام قرطبی کا یہ قول میرے پیش نظر رہتا ہے، لیکن اس مضمون میں حوالہ نہ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ موضوع کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر میں وہ مضمون مزید طویل کرنا چاہتا تھا تا کہ تین قسطوں کے لیے مواد مکمل ہو سکے، جب تقریبا دو قسطوں کا مواد پورا ہو گیا میں نے سوچا اسے ارسال کردوں اور اس کی اشاعت کے تکمیل تک تیسری قسط جس میں مشروعیت تعدد ازواج کے عقلی دلائل نیز اسلام کے علاوہ دیگر ادیان و مذاہب کے دینی رہنماؤں کی متعدد شادیوں کا تفصیلی تذکرہ تھا، ارادہ تھا کہ بعد میں روانہ کردونگا اور اسی کے آخر میں مأخذ اور مرجع کا بھی ذکر کردوں گا۔ لیکن قبل ازیں کی تیسری قسط کی تکمیل ہو پاتی ماہ نومبر 2008 میں میری شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی، (اسی ماہ میں مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے) گھر کا ذمہ دار فرد ہونے کے ناطے مقررہ تاریخ سے کافی پہلے جانا پڑا، اور واپسی کافی تاخیر سے ہوئی۔ آیا تو ادارے میں ششماہی امتحان ہو چکا تھا لہذا نتیجہ تیار کر کے دینا تھا، اسی دوران رہائش کی تبدیلی کا مسئلہ بھی درپیش آ گیا، سامان کی پیکنگ کے دوران تیسری قسط کا مسودہ کاغذات کے درمیان خلط ملط ہو گیا۔ اور ادھر دونوں قسطیں شائع ہو چکی تھیں، لہذا تسلسل ٹوٹ جانے کے بعد اب تیسری قسط ارسال کرنا مناسب نہیں تھا، پھر میں اس کی جانب سے غافل ہو گیا۔ اور صحافت کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھی اور نئی بات نہیں ہے بلکہ موضوع کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ایسا ہوتا ہے اور اس کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ مگر مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ مرجع و مأخذ کے ذکر کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، میں بھی مأخذ کا تذکرہ کرتا مگر مذکورہ عذر کی بنا پر نہ کر سکا۔ لیکن آپ بھی اگر اس کی نشاندہی 'اسلام میں تغیر نسب ایک جائزہ' کی اشاعت سے قبل یا اشاعت کے بعد فروری کے شمارہ میں بھی فرما دیتے تو ہم آپ کا یہ عمل خالص اخلاص اور حسن نیت پر محمول کرتے اور میری نظروں میں آپ کی قدر مزید ہوتی۔ مگر میرے مضمون 'اسلام میں تغیر نسب ایک جائزہ' کے اشاعت کے بعد، اور وہ بھی اس طنزیہ اسلوب کے ساتھ (اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا فن تو مجھے بھی آتا ہے مگر۔ ع: ہم اہل ظرف ہیں پیتے ہیں چھلکایا نہیں کرتے) اور اس مضمون کی اشاعت کو چھ ماہ کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد آپ کا یہ انکشاف، ع: کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اس تاخیر و تقدیم کے سبب آپ کا یہ عمل شک کی نگاہ سے دیکھا جانا فطری بات ہے۔

یہ مضمون میں نے محض مولانا ساجد رضا صاحب قبلہ کی تحریر کا جواب دینے کی غرض سے قلم بند کیا ہے ورنہ حضرات سادات کرام کی تعظیم و عدم تعظیم پر سوالیہ نشان نہ میں نے اپنے گزشتہ مضمون میں لگایا تھا اور نہ ہی اس مضمون میں لگا رہا ہوں۔ میں نے اپنی جانب سے کچھ نہیں لکھا بس موصوف کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے حضرت سید میر علیہ الرحمہ نے سبع سنابل شریف میں سادات کرام کے تعلق سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے وہ نقل کر دیا ہے۔ لیکن بہر کیف ہر مسلمان کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو سادات کرام کی تعظیم بجا لائے اس لیے کہ اس میں رسول خدا علیہ التحیہ والثنا کی خوشنودی ہے۔ رب قدیر ہمیں اور تمام اہل ایمان کو حضرات سادات کرام سے سچی عقیدت و محبت کرنے والا بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

ان کا جو کام ہے اہل سیاست جانیں
اپنا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

فکر امروز

دعوتِ اتحاد - وقت کا تقاضا یا گمراہ افکار کی تصحیح

مولانا محمد اسحاق مصباحی

گزشتہ کئی سالوں سے مسلمانوں پر ایک نئی افتاد آن پڑی ہے اور وہ یہ کہ خواہ مخواہ ان کو پکڑ کر بے بنیاد الزام لگا کر پابند قید کر دیا جاتا ہے۔ پہلے فسادات میں ان کے ساتھ یہ کیا جاتا تھا اور اب دہشت گردی کی روک تھام کے نام پر۔ ہم نے اس کالم کے ذریعہ 2006ء میں یہ بات کئی قسطوں میں ذکر کر دی تھی کہ یہ کام بہت بڑی سازش کے تحت کیا جارہا ہے اور بعد میں یہ سچ ثابت ہوا۔ اب یہ بات صاف ہوگئی کہ مسلمانوں کا تعلق دہشت گردی سے نہیں ہے بلکہ بدعملی، بیوقوفی، جہالت اور انتشار و اختلاف کی سزا ان کو بے وقعتی اور بے وزنی کی شکل میں ملی اور مختلف فسطائی طاقتوں نے ان کا استحصال شروع کر دیا اور یہ استحصال عالمی سطح پر شروع ہو گیا۔ ہندستان، پاکستان اور بہت سے ملکوں میں شبہات کی بنیاد پر ایک حادثات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کو فلائٹ سے اتارا جارہا ہے، راستوں میں بلاوجہ جانچ کے نام پر پریشان کیا جارہا ہے، غرض ایسا لگتا ہے کہ مسلمان ہونا ایک جرم ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ایسا کرنے والوں کے بہت سے فوائد ہیں۔

(1) چاہے مسلم ملک ہوں یا غیر مسلم حکومتیں ہوں، امریکہ کی مدد حاصل کرنے اور اس کو خوش کرنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے اتنے سارے دہشت گرد پکڑ لیے اور یہ لوگ امریکہ کی امداد کے استحصال کرنے کے لیے اس تعداد کو بڑھا رہے ہیں۔

(2) سیاسی مخالفین کو ٹھکانے لگانے کے لیے اس طرح کے الزام لگا کر مخالفین کو راستے سے ہٹایا جارہا ہے۔

(3) مذہبی جنون کے تحت دشمن اور ایک خاص طبقہ، خاص مذہب کے فروغ کے نظریہ اور دوسروں کو جینے کا حق نہ دینے کے عقیدے والے بھی ایسا کر رہے ہیں۔

(4) مختلف کمپنیاں جو جانچ کرنے والے آلات بناتی ہیں، وہ بھی دھماکہ کرا کر اس قسم کے حالات پیدا کر سکتی ہیں کہ جس سے لوگ ڈرنے لگیں اور ان مشینوں کو حاصل کرنے لگیں اور ایسا خوب ہو رہا ہے۔

(5) بہت سے افسران جو پولیس اور تفتیش سے جڑے ہیں، اپنے عہدہ کو ترقی دینے اور انعامات حاصل کرنے کے لیے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

(6) جو لوگ تفتیشی اداروں سے پیسہ لے کر جاسوسی کرتے ہیں، وہ پیسہ حاصل کرنے کے لیے بے گناہ لوگوں کو گھیر گھار کر اور کسی نہ کسی طریقے سے پھانس کر پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

(7) کچھ لوگ سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے لیے بھی ایسا کرا سکتے ہیں کہ خوف طاری کر کے کسی خاص طبقے سے ووٹ حاصل کر لیے جائیں یا اپنے ناجائز اقتدار کو طول دیا جائے۔

لیکن اس سب کے باوجود لوگ دہشت گردی پھیلا بھی رہے ہیں اور دہشت گرد ہیں۔ یہ بھی بات طے ہے مگر جن قوموں کی تاریخ ظلم و جور سے بھری پڑی ہے، آخر انھیں کون سا فرشتہ سبق پڑھا گیا کہ وہ دہشت گردی نہیں کر سکتے اور مسلمانوں کو کون سا شیطان بہکاتا ہے کہ سارے واقعات وہی انجام دیں، یہ منطق بڑی عجیب ہے۔ حالاں کہ اگر آپ دنیا بھر کے اخبارات اور ذرائع ابلاغ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ دہشت گردی کا تعلق مسلمانوں سے سب سے کم ہے۔ بہر حال یہ صورت حال مسلمانوں کے سر پر آہی گئی ہے تو اس کے ہٹانے کے لیے ہماری قوم میں مفکر سیاسی، مولانا حضرات، واعظ قوم، خطیب ملت، مرشدان عظام، صحافی اور دوسری قوموں میں مسلمانوں کے ہی خیر خواہاں اپنے اپنے مشوروں کے ساتھ کسی نہ کسی جگہ رونق افروز ہیں۔

کچھ کو تو یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ مسلمان دہشت کم پیدا کرتے ہیں اور دوسرے زیادہ۔ کچھ کو مذہبی آزادی اور اقتصادی آزادی کے لیے جد و جہد اور دہشت گردی میں فرق کرنے کی زحمت گوارا نہیں۔ ہم سالوں سے ان پاک بازوں کے مشورے پڑھ رہے ہیں۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو تعلیم یافتہ ہو جانا چاہیے اور پھر وہ نہ دہشت گردی کریں گے اور نہ ہی کوئی اور جرم۔ ایک کالم نگار اور ایک صدر قوم فرماتے ہیں کہ اصل پریشانی مدرسوں سے ہے، یہ ختم کر دیے جائیں یا گورنمنٹ کے قبضہ میں کر دیے جائیں۔

دوسرے صاحب فرماتے ہیں مسلمانوں کو دوسروں کے مذاہب قبول کر لینا چاہیے اور سب کے ساتھ رہنا چاہیے۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ مولانا لوگوں کو قدامت پرستی چھوڑنا چاہیے کہ سارے الزامات سے بری ہو جائیں۔ ایک پروفیسر اور ماہر قانون کی نظر میں مسلمانوں کی سب سے بڑی پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ وہ فقہ و قانون میں ائمۂ اسلام کی تقلید کرتے ہیں، اگر کوئی دوسرا طریقہ محمود اختیار کر لیں تو ان کے مسائل حل ہو جائیں۔ ایک صوفی صاحب نے اجتماع لگا دیا کہ صوفیا کے سلاسل میں داخل ہو جائیں، سارے الزامات سے بری ہو جائیں گے۔ ایک مولانا صاحب نے اگلے الیکشن میں ٹکٹ لینے کے لیے دہشت گردی مخالف کانفرنسوں کو علاج بتایا اور سلسلہ شروع کر دیا، مشورے آرہے ہیں، رائیں لکھی جارہی ہیں، کانفرنسیں ہو رہی ہیں اور سب کی زبان پر نعرہ ہے مسلمان متحد ہو جائیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا اور مسئلہ ہے کہ حل ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ اتحاد کانفرنس ہے مگر اختلاف کے سارے اسباب کے ساتھ، خلوص کی دعوت ہے مگر مکمل منافقت کے ساتھ تعلیم کی دعوت ہے، مگر ساری بدسلوکی تعلیم یافتہ طبقہ کے ساتھ، غریب مسلمان ہے، اسے ان ساری باتوں کا کوئی پتہ نہیں۔ الیکشن آتا ہے، کوئی اسے بتا دیتا ہے کہ فلاں کو ووٹ دو۔ اس کو قومی مسائل کا کوئی درک نہیں وہ جسے چاہتا ہے ووٹ کر دیتا ہے، ہزاروں تنظیمیں ہیں انجمنیں ہیں مگر سب اتحاد بین المسلمین میں ناکام۔ اس بیچ جب ہم نے بھی یہ شور شرابا دیکھا تو مناسب سمجھا کہ اس نقار خانے میں صدائے طوطی لگائی جائے۔

اختلاف کرتے ہیں مذہبی رہ نما، قانون بناتے ہیں ماہرین قانون اور قبول کرتے ہیں سیاست داں، نافذ کرتے ہیں حکومتی ادارے اور مطالبۂ اتحاد ہے عوام سے، عوام تو مذہبی رہ نماؤں کے بعد اختلاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں، اکثریت اہل سنت ہے، باقی شیعہ ہیں، وہابی ہیں، غیر مقلد ہیں۔ ان فرقوں میں ایمان و کفر تک اختلاف ہے۔ ان کے مذہبی رہ نما سواد اہل سنت کے تعلق سے آئے دن دل آزار باتیں لکھتے ہیں، چھاپتے ہیں اور پھر نعرہ ہے اتحاد کا۔۔ ان لوگوں کی طرف سے اتحاد کا نعرہ سادہ طریقہ سے عام اہل سنت کو اپنے عقیدوں کی تصحیح کی دعوت ہے، عوام اہل سنت کو ان سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ ہاں یہاں پر آپ ایک بات پوچھ سکتے ہیں کہ جب مسلمان شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی اور بریلوی کے اختلاف میں پھنسے رہیں گے تو غیر مسلم اقوام اور ظالم لوگ ان کا استحصال کرتے رہیں گے۔ اس لیے اتحاد بین المسلمین وقت کی ضرورت ہے۔ یہ سوال اپنے میں اہم ہے۔ تو یہاں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہم غیر مسلم اقوام سے بھی معاہدے اور صلح رکھتے ہیں، حلیف بنتے ہیں۔ حالاں کہ ہم ان کے عقائد اور اعمال دینی میں شریک نہیں ہوتے، تو ان فرقوں کے ساتھ سیاسی اتحاد کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہم ان کے عقائد اپنا لیں اور ان کے مذہبی رہ نماؤں کی اقتدا میں نماز ادا کرنے لگیں۔ مسلمانوں کے تمام فرقے مشکل حالات میں اور انصاف پسند غیر مسلم کے ساتھ مل کر ہندستان میں ایک مشترک پروگرام میں اتحاد کر سکتے ہیں اور یہ ہی وقت کی ضرورت ہے۔ اس پروگرام کو ہم یوں ترتیب دے سکتے ہیں:

(1) اس سیاسی اتحاد کا مطلب دینی اتحاد نہیں ہوگا اور ایک دوسرے کو کسی غیر فرقے کے عقائد اور اعمال پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(2) کسی پر ظلم ہوگا تو اس کی قانونی مدد کے لیے سب مشترکہ جد و جہد کریں گے۔

(3) جن چیزوں پر اتفاق بین الامہ ہے اس کے خلاف تحریک کا مقابلہ کیا جائے گا۔

(4) تمام ہندستانی عوام کے جائز حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔

(5) پسماندہ اور غریب لوگوں کے لیے ترقی کے مختلف طریقے اختیار کیے جائیں گے۔

(6) ہندستان میں تمام باشندوں کی حفاظت اور ان کی آزادی کی حفاظت ہر حال میں کی جائے گی۔

(7) باشندوں کے تنازع میں ہندستانی قانون کی مدد لی جائے گی اور مسلمانوں میں اختلاف کی صورت میں حدیث و قرآن سے فیصلہ لیا جائے گا، کیوں کہ ملکی قانون اور قرآن کے قوانین میں کافی مماثلت ہے، ہاں اگر فریقین کورٹ کا رخ کریں تو کورٹ ہندستانی قانون سے کام کرے گا جن کو فریقین کو قبول کرنا ہوگا۔

(8) ایک دوسرے کے عقائد کی تذلیل نہیں کی جائے گی، مخالفت استدلال اور تہذیب کے دائرے تک محدود رہے گی۔

تو تمام مسلما فرقے کوئی بھی اس طرح کا پروگرام ترتیب دے کر اتحاد قائم کریں تو کیا حرج ہے، مگر اصل پریشانی یہ ہی ہے کہ اتحاد کی دعوت کے ساتھ اپنے عقائد و نظریات تھوپنے کی کوشش کی جارہی ہے، پروفیسر ہیں کہ علما کے پیچھے پڑے ہیں، غیر مقلد ہیں،

وہابی ہیں کہ یزید کو صاحب منوانے کے لیے کمر بستہ ہیں۔ ایک طرف اتحاد کی دعوت ہے اور ساتھ میں تذلیل کا کوئی راستہ بھی نہیں چھوڑا جاتا، وہی دل آزار باتیں، وہی پرانی بحثیں تکرار کے ساتھ جاری ہیں اور اتحاد کی دعوت ہے۔

ایک ہوتا ہے اختلاف رائے اور ایک ہے تذلیل۔ اختلاف رائے کی اجازت دی جاتی ہے، مگر تذلیل کی نہیں، اختلاف رائے کی اجازت ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام اور ائمۂ کرام میں ایک دوسرے کے لیے تھی۔ استدلال کی قوت سے اپنی بات رکھی جائے تو حرج نہیں مگر دھوکا یا تذلیل سے یا جھوٹ سے اپنی بات تھوپنا قطعاً جائز نہیں اور قابل قبول بھی نہیں، اگر ان مثالوں کو جمع کیا جائے جو ان فرقوں کے لوگوں نے اہل سنت کے خلاف صرف دروغ کی بنیاد پر قائم کی ہیں تو کم از کم ایک ہزار صفحات سے بھی تجاوز کر جائے۔ بہ مجموعہ یہ بات ہم کو یاد رکھنی چاہیے کہ باطل اور حق کا اتحاد ممکن نہیں ہے، ہاں دونوں راستے کچھ دور ساتھ ساتھ چل لیتے ہیں اور پھر الگ ہو جاتے ہیں۔ لہذا موت اور زندگی کا خوف نہ کر کے اہل سنت خواص و عوام کو حق کے ساتھ رہنا چاہیے اور اتحاد کے نعرہ کے مقاصد پر غور کرنا چاہیے کہ یہ اتحاد ہے یا تبدیلی مذہب کا پوشیدہ راستہ۔

لہذا میں اتحاد کے نعرہ بازوں سے عرض کروں گا کہ ہمارا اتحاد باطل سے ممکن نہیں۔ ہاں دوسرے فرقے کوئی سیاسی معاہدہ کریں تو ہم تیار ہیں مگر عقائد میں کوئی اتحاد نہیں اور دینی اعمال میں آپ کی کوئی اقتدا نہیں ہوگی۔ میں عوام اہل سنت سے خصوصی طور سے عرض کروں گا کہ کوئی وہابی یا شیعہ یا کوئی بھی اتحاد کی دعوت دے تو ہندستان جیسے ملک میں مسائل کو طے کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر ان کی اقتدا میں نماز نہ پڑھیں اور ان کے عقائد کی تقلید نہ کریں جو ہمارے اہل سنت کے یہاں گم راہی ہیں۔ جنگ آزادی کے دور میں بھی علماے اہل سنت آزادی کے لیے کوشاں تھے، انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، تمام ہندستانی باشندوں کو متحد رکھا، مگر دینی عقائد اور اعمال میں اپنی راہ پر قائم رہے۔ اسلامی عقائد کے خلاف جو لوگ اس وقت گئے وہ گم راہ ہوئے اور آج بھی جو سواد اہل سنت کے عقائد کے خلاف جائیں گے گمراہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے سچے دین پر قائم رکھے اور اسی حق پر دنیا سے اٹھائے۔ وصلی اللہ علیہ وسلم و علی الہ و أصحابه أجمعين۔ ☆☆☆☆

وفیات

گل ہو گیا ایک اور چراغ!

2؍مارچ 2009ء دوپہر قصبہ دولت پور ضلع کٹک (اڑیسہ) کے رہنے والے جواں سال عالمِ دین مولانا اکبر علی مصباحی مختصر علالت کے بعد اچانک اس دنیا سے چل بسے۔ کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ اچانک اتنا بڑا حادثہ ہو جائے گا، جس کسی نے سنا دم بخود رہ گیا۔ لوگوں کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ابھی عمر ہی کیا تھا، یہی کوئی 34/35؍سال مگر: فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون. کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ مفتیِ کٹک مفتی وجہ القمر رضوانی صدر مدرس مدرسہ مدینۃ العلم کٹک نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مولانا جانے کو تو چلے گئے مگر اپنے پیچھے کتنوں کو روتا بلکتا چھوڑ گئے۔ گھر کی تمام ذمہ داریاں آپ ہی کے کندھوں پر تھیں۔ ایک سال قبل ہی رشتۂ ازدواج میں مسلک ہوئے تھے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ نے آپ کے ساتھ نہ جانے کتنی آرزوئیں اور امنگیں وابستہ کی ہوں گی۔ بوڑھے ماں باپ نے آپ کی ذات سے کتنی آس لگائی ہوگی، مگر ایک ہی جھٹکے میں ان کے ارمانوں کا قلعہ زمیں بوس ہو گیا۔ اللہ رحم فرمائے۔

یارب کسی کا نخلِ تمنا قلم نہ ہو   سب غم تو ہو فراقِ پسر کا الم نہ ہو

مولانا موصوف اپنے اوصافِ جمیلہ و عاداتِ نبیلہ سے جہاں بھی گئے، جہاں بھی رہے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ آپ گونا گوں خوبیوں کے مالک تھے۔ فراغت کے بعد ہی شہر کٹک کی عظیم درس گاہ مدرسہ مدینۃ العلم میں نائب پرنسپل کے عہدے پر متمکن ہو کر بڑے ہی شوق وانہماک سے درس وتدریس کا کام انجام دے رہے تھے۔ ادھر کئی سال سے شہر کی ایک عظیم الشان مسجد میں امامت وخطابت کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے۔ اللہ نے آپ کو زبان وقلم کی عظیم دولت سے نوازا تھا۔ اپنی تقریر سے خلقِ خدا کی خوب رہ نمائی کی، دین وسنت کا پیغام خوب عام وتام کیا۔ ان خوبیوں کی وجہ سے آپ کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

اڑیسہ کے تقریباً سبھی سنی مدارس میں مولانا مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ وقرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ جامعہ اشرفیہ میں بھی ان کے احباب نے مولانا کی یاد میں ایصالِ ثواب کی محفل منعقد کی۔ قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ مولانا کی مغفرت اور ان کے پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا فرمائیں۔

از: محمد وجیہ القمر رضوانی، متعلم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

دوسری قسط   **شہدا کی پکار**

غدارانِ اسلام کی خوں چکاں داستان

ماضی اور حال کے تناظر میں

محمد اسمٰعیل بدایونی

مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نے ایسے کوتاہ اندیش لوگوں پر اعتماد کیا جو جذبات کی رو میں بہہ جانے والے تھے اب میں آپ حضرات کو ایک بڑی مہم سونپ رہا ہوں آپ کو اندلس کے مسلمان پناہ گزینوں کی حیثیت میں غرناطہ جانا پڑے گا۔ وہاں پہنچ کر آپ غرناطہ کے حکام اور ان سے زیادہ وہاں کے عوام کو یہ سمجھائیں کہ جنگ ایک سعی لاحاصل ہے تمہاری غلطی کی سزا باقی اندلس کے مسلمانوں کو مل رہی ہے ان پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا ہے حضرات! اگر آپ نے اہل غرناطہ کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کر لیا تو آپ نہ صرف فرڈینینڈ کی مملکت کی مسلم رعیت بلکہ اہل غرناطہ کو بھی عیسائیوں کے انتقام سے بچا سکیں گے اور یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا۔

اس مہم کی تکمیل کے لیے آپ کو حکومت کی طرف سے تمام سہولتیں مہیا کی جائیں گی آپ کو اس مہم کی باقی تفصیلات سے آگاہ کرنے کے لیے کل پھر اسی جگہ ہمارا اجتماع ہوگا اس اجلاس کو برخاست کرنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ میں سے کسی کو میری باتوں سے اتفاق نہ ہو تو اسے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے''۔

حاضرین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ایک کونے سے قرطبہ کا ایک سفید ریش عالم اٹھا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔

حضرات میں آج ہی یہاں پہنچا ہوں۔ میں اپنے عیسائی حکمران سے کچھ کہنے کا ارادہ لے کر آیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ میں شاید فرڈینینڈ سے براہ راست کہہ نہیں سکوں گا۔ تاہم میں اس مجلس کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے بادشاہ کے دار الحکومت میں اپنی آزادانہ رائے کے اظہار کا موقع دیا ہے یہ سوچنا صدر مجلس کا کام تھا کہ یہ مقام ایک مسلمان کی آزادانہ رائے کے اظہار کے لیے موزوں ہے یا نہیں بہر حال اس دعوت کے بعد انہوں نے مجھ پر ایک فرض عائد کر دیا ہے اور میں یہ فرض پورا کروں گا۔ میں اپنے جذبات کے اظہار کے بجائے علمائے اسلام کے اجتماعی احساسات کی ترجمانی کروں گا۔

حضرات! اندلس کے بیشتر حصے میں ہمارے اقتدار کا خاتمہ ایک بہت بڑا نقصان تھا۔ اس کے بعد دوسرا نقصان یہ ہوا کہ ہماری قوم کا ایک حصہ ذلت کی زندگی پر مطمئن ہو گیا لیکن یہ نقصانات ناقابلِ تلافی نہ تھے امید مظلوموں، ناداروں اور بے کسوں کو زندہ رکھتی ہے جب ہماری محفل کے تمام چراغ بجھ گئے تو ہمیں غرناطہ میں ایک مشعل دکھائی دی ایک طوفان مدت سے غرناطہ کی اس مشعل کو بجھانے کی فکر میں ہے اور کئی ناکام کوششوں کے بعد یہ طوفان اب ہم سے مطالبہ کر رہا ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اس مشعل کو بجھا دیں آج قوم کا جنازہ اٹھانے کے لیے ان علمائے دین کو منتخب کیا گیا ہے جو مردہ قوم کے کانوں میں صور اسرافیل پھونکا کرتے تھے۔

ابوداؤد! قیامت کے دن تم میرے گواہ ہو یہ سب اکابر اور علما جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں میرے گواہ ہیں کہ میں نے اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود ان لوگوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا جو حق کی جنگ سے منہ پھیر کر باطل کی فتح کے انعامات میں حصہ دار بننا چاہتے تھے۔

ابوداؤد واتم نے مجھے اپنی آزادانہ رائے کے اظہار کی دعوت دی ہے تو سنو! شاید قسطلہ میں حق کی یہ آخری آواز ہو۔ جس دن غرناطہ پر عیسائیوں کی فتح کا پرچم لہرائے گا اندلس کے ہر مسلمان کے مکان پر موت کا پہرا ہوگا تم کہتے ہو کہ غرناطہ کے لوگوں کی مدافعانہ جنگ کے باعث عیسائی ہم سے بدظن ہو گئے ہیں لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ جب فرڈینینڈ کی غرناطہ کے ساتھ جنگ نہ تھی اس وقت ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوتا تھا۔

کیا اس وقت بے گناہوں کو قتل نہیں کیا گیا؟ کیا اس وقت ہماری بہو بیٹیوں کی بے عزتی نہیں کی گئی؟ کیا غرناطہ کے ساتھ دوستی

کے باوجود اندلس کے عیسائی حکمرانوں نے لاکھوں مسلمانوں کو ملک بدر نہیں کیا؟ کیا انہیں زبردستی عیسائی نہیں بنایا گیا؟ کیا ہماری مساجد کو گرجوں میں تبدیل نہیں کیا گیا؟ کیا ہمارے لیے عربی زبان بولنا جرم قرار نہیں دیا گیا؟ اور دنیا میں وہ کون سا ظلم تھا جو ہم پر روا نہ رکھا گیا۔

ابو داؤد! ہر قوم کی عزت کی محافظ اس کی قوت مدافعت ہوا کرتی ہے مجھے معلوم ہے جب ابوالحسن کی افواج لوشہ کا رُخ کر رہی تھیں ہمارے عیسائی حکمران نے یہ اعلان کیا تھا کہ اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک کرنے والے افسروں کو بدترین سزائیں دی جائیں گی اس کے بعد جب ابوعبداللہ نے غداری کی اور ہماری حکومت کی نظر میں غرناطہ کا خطرہ کم ہوا تو ہمیں بدترین سلوک کا مستحق سمجھا گیا۔

غرناطہ اندلس کے مسلمانوں کا آخری حصار ہے اگر یہ حصار ٹوٹ گیا تو یاد رکھیے اندلس میں مسلمانوں کے زندگی کے دن موت سے زیادہ الم ناک ہوں گے۔

صدر مجلس نے یہ کہا کہ اب چونکہ غرناطہ کے مسلمانوں کی موت یقینی ہے اس لیے ہم دشمن کو خوش کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں سے ان کا گلا کیوں نہ گھونٹ ڈالیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جب ہمارے ہاتھ ان کی شہ رگ تک پہنچیں گے ہماری اپنی شہ رگ خود بخود کٹ جائے گی۔

سامعین کی طرف سے احتجاج کے نعرے بلند ہو رہے تھے لیکن ان کی توقع کے خلاف ابوداؤد انتہائی اطمینان سے اس کی تقریر سنتا رہا تقریر کے دوران چند بار لوگوں نے شور مچانے کی کوشش کی لیکن ابوداؤد نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش کر دیا جب بوڑھا عالم خاموش ہو گیا تو ابوداؤد نے اطمینان سے کہا۔ میرے بزرگ! آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟

نہیں اس نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

ابوداؤد نے کہا حضرات! میں ان کی صاف گوئی کی داد دیتا ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میری تقریر سے ان کے دل میں چند غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ میں ان کے ساتھ الگ بیٹھ کر گفتگو کرنا چاہتا ہوں اگر ان کی تقریر کے بعد کسی اور بزرگ کے دل میں شکوک پیدا ہو گئے ہوں تو میں ان کے ساتھ بھی تبادلہ خیالات کرنے کو تیار ہوں اگر آپ میں سے کوئی ان کے خیالات کی تائید کرتا ہے تو مجھے بتا دے۔

اشبیلیہ کے چار علماء اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

ابوداؤد نے کہا اس مجلس میں سے صرف پانچ افراد میرے ساتھ متفق نہیں مجھے امید ہے کہ ہم ایک آزادانہ بحث کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے میں آپ کو شام کے بعد اپنے پاس بلاؤں گا یہ جلسہ برخاست کرنے سے پہلے میں حاضرین سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ کسی سے اس جلسے کی کارروائی کا ذکر نہ کریں۔

رات کے وقت ابوداؤد کا ایک خادم ان پانچ علماء کو اپنے ساتھ لے گیا اور اس کے بعد کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گئے اگلے دن ان کے بعض ساتھیوں کا خیال تھا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔

اور پھر ابوداؤد کی فوج کے چند نام نہاد علماء نے فرڈیننڈ کے مشن کو پورا کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیں اور ہر روز غرناطہ کی مساجد میں اس قسم کے اشتہار چسپاں ہوتے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین! کیا ایسی جنگ جاری رکھنا جائز ہے جس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہو"۔

منافقین کی ان کوششوں سے غرناطہ میں شکست خوردہ ذہنیت کے لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی اندلس کے اکابر سے غرناطہ کے اکابر بھی متاثر نظر آنے لگے اور پھر ان زہریلے اثرات نے فوج اور عوام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور فرڈیننڈ کے سونے اور چاندی کے خزانے علماء، امراء اور با اثر افراد کے ضمیر خرید رہے تھے۔

ابوداؤد اور ان جیسے دیگر ملت فروشوں کی وجہ سے اب اندلس میں ملت فروشوں کی بہتات ہو چکی تھی اور ان کی اکثریت براہِ راست فرڈیننڈ سے تعلقات استوار کر چکے تھے۔

عزیزانِ گرامی! ستم کی سیاہ رات کا یہیں اختتام نہیں ہوتا بلکہ یہ تاریکی دن بدن گہری ہوتی چلی گئی۔ اندھیروں کے بیوپاریوں نے ہولناک تاریکیوں کے ایسے ایسے اندھیرے ایجاد کیے کہ اُمت مسلمہ ان اندھیروں میں ڈوبتی چلی گئی۔ اور بات یہاں تک بڑھ گئی کہ عرب کا بدو چرواہا شانِ رسالت میں تنقیص سے باز نہ آسکا اور خلافت عثمانیہ کو تاراج کرنے میں یہ اور ابن سعود ایک ہی سکہ کے دو رُخ اور ایک ہی منزل کے دو راہی ہو گئے۔ اُمت مسلمہ کو ایک اور بھاری نقصان اٹھانا پڑا خلافتِ عثمانیہ کا سقوط صرف چند غداروں کی وجہ سے جن میں محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ابن سعود سرفہرست ہیں۔

اِن کی غداری نے صرف سلطنت عثمانیہ ہی کو تقسیم نہیں کیا بلکہ وحشت و بربریت کی اُن نئی رسموں کی بنیاد بھی رکھی جو اس سے قبل اسلامی دنیا میں کسی خارجی نے نہیں رکھی تھیں مسلمانوں کے خون سے حرم کو پامال کر دیا گیا ترکی سپاہیوں کو حرم کے اندر برطانوی گولیوں سے بھوننے والے کوئی یہودی، عیسائی یا مشرک نہیں تھے بلکہ یہ وہ تھے جو توحید کے نام پر مزارت کو ڈھانے کا مشن لے کر آئے تھے۔ یہ وہ شقی القلب لوگ تھے جنہوں نے گنبد خضریٰ کو گرانے کی سعی کی تھی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے چند دن کی آسائش کے لیے پوری ملت کا سودا کر لیا تھا اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جہاد کیا اور مسلم خواتین کو جو وہابی نہ تھیں اپنی لونڈی بنا لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نہ صرف حرم کی حرمت کو پامال کیا بلکہ نوجوان ذہنوں میں تشکیک کے بیج بھی بوئے توحید کے نام پر ذہنوں میں تنقیص رسالت کا بارود بھی رکھا۔ عظمتِ اولیاء کو سینوں سے نکالنے کے لیے شرک و بدعت کی توپوں سے اسلامی نظریات کی فصیلوں پر بم برسائے۔

تاریخ ملتِ اسلامیہ سے آگاہ اے مورخو! ستم کی یہ تاریکی تھمی نہیں بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں برصغیر کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایسی صورتحال ہو گئی کہ اندلس کی شام غریباں اور برصغیر کی آہ و فغاں میں فرق نہ رہا۔ غدار ابوداؤد نے فرڈیننڈ کے خلاف، اہل صلیب کے خلاف اٹھنے والے علماء اسلام کو مروا ڈالا۔ اور برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے درندے (صلیبیوں) نے ہندوستان کے نامور علماء کو اپنی گولیوں سے بھون ڈالا ان کے خلاف فتویٰ جہاد دینے پر ان کو جزیرہ انڈیمان، کالے پانی کی سزائیں سنائی گئیں۔ ان کو درختوں سے الٹا لٹکا کر ان کے سروں کے نشانے باندھے گئے مگر سبھی کو اُمید تھی کہ لہو کا رنگ شفق بن کر نئے سحر کی تمنا بن جائے گا۔ عنقریب حالات واپس لوٹ آئیں گے یہ خونِ مسلم ہے رائیگاں نہیں جائے گا۔

مگر دشمن اتنا غافل بھی نہیں تھا جتنا ہم سمجھ رہے تھے ابوداؤد جیسے مکار یہاں بھی موجود تھے پھر وہی رسم اندلس کو یہاں ایک نئے انداز میں دہرایا گیا اور یہاں تو عالم ہی عجیب تھا یہاں ایک ابوداؤد نہیں بلکہ کئی ابوداؤد اپنی خدمات حکومت انگلشیہ کو دینے کو تیار تھے بلکہ ایسی خدمات کہ حکومت انگلشیہ بھی ان کی اس کارکردگی پر حیران رہ گئی۔

عزیزانِ گرامی! غدار کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ اہل خلوص کو تو قتل کراتا ہے مگر خود ذبح ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتا مگر یہ تو ایسے پالتو تھے کہ برملا کہتے کہ سرکار انگلشیہ مالک ہے ہمارے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔ غداروں کی اس بزم میں عسکری لوگوں کے علاوہ جبے اور عمامہ سے خود کو مزین کیے وہ مذہبی شیطان بھی موجود تھے جنہوں نے قوم کو فکری، اعتقادی گروہوں میں تقسیم کیا اور پھر یہ ملت اسلامیہ، اُمت مسلمہ، دیوبندی، وہابی، بریلوی، شیعہ، سُنی میں بٹ گئی۔ جگہ جگہ نت نئی بحثوں نے فکری اور اعتقادی انتشار کو جنم دیا۔

نام نہاد کلمہ گو مسلمان جگہ جگہ کہتے پھرتے تھے کہ نبی ہماری طرح بشر ہے...... نبی کو غیب کا علم نہیں...... ارے یہ نبی تو حاضر و ناظر نہیں ہاں شیطان اور ملک الموت حاضر و ناظر ہیں...... ارے یہ میلاد النبی منانا بدعت ہے......

اور پھر کچھ عرصے بعد دیکھتے ہی دیکھتے باقاعدہ ان کے مدارس، دارالافتاء، مساجد بھی کچھ معرض وجود میں آ گیا اور پھر یہ بحثیں ایک فن کی صورت اختیار کر گئیں اور اب بحث نہیں ہوتی تھی اب فکروں پر شب خون مارنے کی قبیح رسم چوک پر ادا نہیں کی جاتی تھی بلکہ اب اس کے لیے دارالافتاء کی وہ مقدس مسند موجود تھی جہاں اب اس طرح استفتا آتے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عیسائی جس طرح سالگرہ مناتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کا عید میلاد النبی منانا شرک ہے یا نہیں۔

پھر جواب میں منصب افتا پر فائز مفتی اعظم کچھ اس طرح جواب دیتے "عید میلاد النبی منانا ہرگز نہیں چاہیے یہ تحریف فی الدین ہے"۔

دوستو! اور بزرگو! یہ سب کچھ میں نے خود نہیں لکھا بلکہ یہ سب کتابوں میں موجود ہے۔ ستم کی اس سیاہ رات کی گہرائی میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا مگر اب فرقوں کی باہمی جنگ کے علاوہ قدامت اور جدیدیت مد مقابل ہو چکی تھیں۔ اہل فکر ان بحثوں میں الجھ کر نہ جانے کیا نتائج نکالنے کے لیے بے قرار ہو رہے تھے۔ دوسری جانب بڑھتا ہوا الحاد...... مغربی تہذیب کا سیلاب...... روشن خیالی کا طوفان...... فحاشی و عریانیت کے پرمٹ...... انگریز آقا کے قصرِ سفید پر سجدہ غلامی...... اور فکری انتشار کے زلزلے...... اسلامی عقائد و نظریات کی تمام فصیلوں کو زیر و زبر کرنے پر تلی ہوئی ہیں مگر۔ اس اندھیری شب میں۔

اندھیروں کے اس راج میں۔ کچھ دیئے تھے جو جگمگا رہے تھے

۔کچھ ستارے تھے جو جھلملا رہے تھے۔ جنہوں نے رسم وفا کو پامال نہیں کیا تھا۔ جنہوں نے ڈالروں کی ہوس میں ایمان نہیں بیچا تھا۔ جو کل بھی ملت کے امین تھے اور آج بھی امت کے امین ہیں۔ جنہوں نے کل بھی جان دے دی تھی مگر ملت کا سودا نہیں کیا تھا۔ جنہوں نے آج بھی جان دی مگر امت کو رسوا نہیں ہونے دیا۔

ہاں ہاں! ذرا سوچو! سانحہ نشتر پارک کی اُس شام غریباں کو جب ملتِ اسلامیہ کے یہ فرزند اپنے رب کی بارگاہ میں سجود و نیاز ادا کر رہے تھے تو تاریکیاں ان چراغوں کا تعاقب کر رہی تھیں مگر......

ہر ایک اہل لہو نے بازیِ ایماں لگا دی ہے
جواب کی بار ہوگا وہ چراغاں دیکھتے رہنا

عزیزانِ گرامی! یہ تاریکیاں تعاقب کیوں کر رہی تھیں؟ یہ ان ستاروں کو اور ان چراغوں کو بجھانے کی سعی میں اس قدر عجلت کا شکار کیوں تھیں؟ کیونکہ یہ وہ ستارے تھے جو ملت کے لیے رہبر کا کردار ادا کر رہے تھے...... یہ وہ چراغ تھے جنہوں نے الحاد کے اندھیروں کو روکے رکھا تھا...... یہ وہ محافظ تھے جو مغربی تہذیب وثقافت کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنے ہوئے تھے...... یہ ناموس عصمت وعفت کے وہ نگہبان تھے جو فحاشی وعریانیت کی راہ میں سب سے بڑی روکاوٹ تھے...... یہ وہ چراغ تھے جنہوں نے مغربی روشن خیالی کے اندھیروں میں روکاوٹیں حائل کیں......

لہٰذا انہیں تاریکیوں کے خوگر بھیڑیوں نے سزائے موت کا حکم سنایا اور نشتر پارک کی اس محفل میں جہاں یہ اپنے نبی کا ذکر سن رہے تھے اور سنا رہے تھے۔

جہاں یہ اپنے آقا کے میلاد کا جشن منا رہے تھے، جہاں یہ ذکر محبوب سے دلوں کو بہلا رہے تھے، اور جہاں یہ آیات بیّنات کی تلاوت سے چین پا رہے تھے اور جہاں یہ اپنے مالک کے حضور سجدوں میں جھکے ہوئے تھے، سبحان ربی الاعلیٰ کی تسبیح ان کی زبانیں ادا کر رہی تھیں.......... ان کو عبرتناک موت سے ہمکنار کر دیا گیا۔

ان للہ وانّا الیہ راجعون

ان کی شہادت پر تاریکیوں کے ایوانوں میں جشن کے نغمے گونج اٹھے اور بوتلوں کے ڈھکن کھل گئے ...... صنفِ نازک کے تھرکتے ہوئے جسموں سے لطف اندوز ہونے والے تاریکیوں کے خوگر کی راہوں میں ان روکاوٹوں میں سے بہت سی روکاوٹیں تو باہمی انتشار کے سبب پہلے ہی دور ہو چکی تھیں اور اب تو وہ چوٹ لگائی گئی تھی کہ سنبھلنا آسان نہ تھا۔

بس فکر ہے تو ان اندھیروں کے راہیوں کو اتنی کہ یہ چراغ بجھ جائیں نہیں تو کم از کم ان کی لو کم سے کم ہو جائے۔

مگر اہل حق۔ نے یہی کہا۔

اپنی آہوں کا ستم گر پہ اثر ہونے تک
ہم کو جلنا ہے یونہی رات بسر ہونے تک
صرف سودا ہی ضروری نہیں دیوانوں میں
سر بھی درکار ہے دیوار کو سر ہونے تک

اس ماہ شہدائے سانحہ نشتر پارک کی تیسری برسی ہے ابھی میں شہدائے نشتر پارک کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے کچھ لکھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ تخیل کی پروازیں مجھے شہدائے اسلام کے دربار میں لے گئیں۔

ہر طرف نورانی چہرے تھے جگہ کیا تھی عظیم الشان محل تھا اس دربار میں کھڑا ہو کر میں ان شہداء کی عظمتوں کے گیت گانے لگا ...... ان کی شجاعت وبہادری کے قصیدے کہنے لگا اور ان میں مظلوم شہداء کی عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کرنے لگا۔

خاموش ہو جاؤ...... ایک آواز گونجی۔

مجھے یوں لگا کہ جیسے میرے لبوں کو سی دیا گیا ہو۔

کب تک صرف عظمتوں کے گیت گاتے رہو گے......؟ کب تک صرف ہماری شجاعتوں اور بہادری کے قصیدے لوگوں کو سناتے رہو گے ......؟ اور کب تک ہم مظلوم شہدا کی عظمتوں کے مرثیے پڑھتے رہو گے......؟

چاروں طرف سے تابڑ توڑ سوالات نے مجھے حیران کر دیا۔ ابھی میں لفظوں کو جملوں کی خوبصورت لڑی میں پرونے کا سوچ ہی رہا تھا کہ ایک آواز گونجی: تمہیں معلوم ہے تم تک اسلام کیسے پہنچا؟

اپنی کم علمی کے سبب مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ نہیں۔

ہاں تمہیں معلوم بھی ہو تو کیسے؟ تمہیں تو تمہارے ماں باپ نے بتایا ہی نہیں کہ اسلام ان تک کیسے پہنچا بس مسلمان گھر میں پیدا ہوئے اور اسلام ان تک پہنچ گیا اور اسی طرح تم بھی مسلمان گھر میں پیدا ہوئے اور اسلام تم تک پہنچ گیا ہے۔

جی بالکل ایسا ہی ہے میں نے ہلکی سی آواز میں کہا۔

ہاں تمہیں اتنا ہی بتایا گیا ہے اور تمہیں اتنا ہی معلوم ہے۔ مگر یہ اسلام تم تک اس طرح نہیں پہنچا ...... تمہارے ماں باپ یونہی مسلمان نہیں ہوئے تھے...... تمہاری رگوں میں ہمارا خوں یونہی نہیں دوڑ رہا...... تم آج یونہی اسلام کے ماننے والے نہیں کہلاتے اس کے لیے ہم نے اپنے خون سے چراغ روشن کئے تھے۔۔۔ تم نے تو ان دنوں کی داستان صرف کتابوں میں پڑھی ہو ورنہ تو تمہاری نئی قوم کو تو ہماری داستان بھی نہیں معلوم......

عرب کی سرزمین پر ہمارے نبی کو نادان لڑکوں نے پتھروں سے لہولہان کیا وہ شخصیت جس کے نام پر مردانِ عرب سر کٹاتے تھے جس کی ایک جھلک ایمان کی حالت میں جو دیکھ لے اور ایمان کی حالت میں مر جائے کوئی اور اس شخص کے منصب کو نہیں پہنچ سکتا...... جس کی عظمتوں اور تعریفوں کو اس کے رب نے کتابِ مبین میں بیان کیا پھر یہ اسلام ہمیں ملا......

پھر عرب کی گلیوں میں ہم نے ہولناک اذیتوں اور ظلم وستم کے وحشت ناک تشدد کو برداشت کیا پھر ستم گروں کا یہیں پر بس نہیں ہوا ہمیں ہمارے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ابھی ہم یہاں پہنچے ہی تھے کہ ہم پر جنگ کو مسلط کر دیا گیا۔ اور ہم کمزور تھے ہمارے پاس نہ اسلحہ تھا اور نہ مال نہ تلوار تھی اور نہ ہی ڈھال مگر ہمیں مقابلہ کرنا پڑا اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کے صدقے وطفیل ہمیں فتح نصیب کی پھر یہ جنگیں ہم پر مسلط ہوتی رہیں ہمیں ایک طرف مشرکین نے گھیرا دوسری طرف یہودیوں نے درپردہ سازشیں کیں اور ایسے حالات میں آستین کے سانپوں منافقین نے بھی اپنی موجودگی کا پورا احساس دلایا اور ان مصائب وآلام سے لبریز حالات کے باوجود ہم نے اسلام کی دولت اپنے آنے والی نسلوں کو منتقل کی۔

میں ان کی باتوں کو سر جھکائے سنتا رہا۔ پھر یہ دولت اسلام ہمیں ملی (تابعین میں سے کسی نے کہا)

ہم نے اس دولت کی پوری حفاظت کی ہم نے علم کی پرورش بھی کی اور اس وقت کی عالمی طاقتوں قیصر وکسریٰ کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔ ہم نے اپنے جسموں کو تیروں اور نیزوں سے چھلنی کروالیا۔ اپنی گردنوں کو تیز تیغ کے سپرد کر کے سروں کو تو کٹوا دیا مگر اس امانت کو اپنی اگلی نسل کو منتقل کر دیا۔

میں حیرانگی سے ان کی بات کو سن رہا تھا میرے علم میں تو یہ بات آج آئی کہ اسلام کتنی مشقت سے کتنی قربانیوں اور کتنے سروں کے نیزوں پر بلندی کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔ پھر یہ امانت ہمارے پاس منتقل ہوئی ہم نے اس امانت کو ملوکیت کے دور میں بھی سنبھال کر رکھا اور ظلم وستم کی فکر وتدبر کی جنگوں میں بھی اس امانت میں خیانت نہیں ہونے دی خلق قرآن کا مسئلہ ہو یا کوئی اور فتنہ ہم نے کوڑے بھی کھائے۔ ہمارے چہروں کو سیاہ کر کے گدھے پر بٹھا کر اس شہر رسول میں گھمایا گیا جہاں ہم قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند کیا کرتے تھے۔ ہمیں زہر کے پیالے پلائے گئے صرف اس لیے کہ اس امانت میں خیانت کر دو اور چند لوگوں کے چند روزہ اقتدار کو سہارا دے دو۔ اسلام کو قربان کر دو۔

مگر ہم نے کوڑے تو کھا لیے۔ اپنی کھالیں تو ادھڑ والیں اور زہر کے جام کو لبوں سے لگا لیا مگر اس امانت میں خیانت نہیں کی۔ اور اس امانت کو اپنی اگلی نسلوں کے سپرد کر دیا۔

اور پھر یہ امانت ہم تک پہنچی (سلطان صلاح الدین ایوبی کی رعب دار آواز گونجی)

اہل صلیب نے پوری کوشش کی کہ اسلام روئے زمین سے مٹ جائے انہوں نے ظلم وتشدد کی نئی رسموں کا اجراء کیا۔ مسلمان دوشیزاؤں کی عفت وعصمت پر ڈاکے ڈالے گئے۔ مسلم نوجوانوں کو ہلاک کیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ باطنی، حشیشین، قرامطی فتنوں کی بنیاد رکھی ان کی اہل صلیب نے پشت پناہی بھی کی اور انہوں نے بھی ستم ڈھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

میری زندگی کے زیادہ دن گھوڑے کی پیٹھ پر تو بسر ہوئے جسم تیروں، تلواروں، نیزوں اور بھالوں کے چرکوں سے زخمی تو ہوا مگر یہ امانت اگلی نسلوں تک منتقل کر گئے ہمارے ساتھیوں نے اپنے لہو سے وہ چراغ روشن رکھے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے روشن کئے تھے۔

ابھی میں ان کی تقریر کے سحر میں ڈوبا ہوا ہی تھا کہ سلطان محمود غزنوی کی آواز سنائی دی۔

ہم نے بھی اس امانت کو تم تک منتقل کرنے میں ذرا کوتاہی نہیں کی اور جانوں کے نذرانے تو پیش کئے اس امانت کا سودا نہیں کیا اور ان چراغوں سے اپنے لہو کو جلائے رکھا جنہیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے روشن کیا تھا۔ پھر سقوط بغداد کا سانحہ پیش آیا ایک اور مجاہد کھڑا ہوا۔

(باقی آئندہ)

تاریخی شعاعیں

پہلی قسط

یورپ پر مسلمانوں کے احسانات

مولانا محمد جابر خاں مصباحی بریلوی

دنیا صرف اتنا جانتی ہے کہ مسلمانوں نے نصف صدی سے بھی کم میں دنیاے معلوم کا بیش تر حصہ فتح کر لیا تھا اور انھوں نے اس مختصر سی مدت میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیے تھے وہ تاریخِ عالم میں آپ ہی اپنی نظیر ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے علوم وفنون کے میدان میں جو کارہاے نمایاں کیے ہیں وہ ان کی ملکی فتوحات سے کہیں زیادہ درخشاں اور قابلِ قدر ہیں۔ دنیا کا کوئی علم اور فن ایسا نہیں ہے جس میں کہ مسلمانوں نے دنیا کی رہ نمائی نہ کی ہو۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی دنیا کی علمی سطح پر ترقی کا راز مسلمانوں کے عروج وارتقا کے زریں تاریخ کے اوراق میں پنہاں ہے۔ مسلمان جس عہد میں ہر چہار دانگ عالم میں علوم وفنون کے جھنڈے گاڑ رہے تھے۔ اس وقت مغرب ظلمت وتاریکی کے دل دل میں دم توڑ رہا تھا۔ مغرب اس عہد کو اپنے لیے تاریک دور کے نام سے یاد کرتا ہے۔ مسلمانوں کے دورِ عروج کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ جب یورپ جہالت کی تاریکی میں سرگرداں تھا تو اسلام کے نام لیواؤں نے کائنات کو تہذیب اور علوم وفنون کی روشنی سے جگمگا دیا تھا۔ آج مغرب دنیا بھر میں تہذیب اور شائستگی کا علم بردار سمجھا جاتا ہے لیکن تاریخ اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتی کہ ایک زمانے میں وہ جہالت ووحشت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ظلمت وتاریکی کے اس دور میں جب عیسائی دنیا باپ، بیٹا اور روح القدس کے بے معنی جھگڑوں سے نبرد آزما تھی، مسلمانوں نے نہ صرف علم اور تہذیب کی شمع روشن کی بلکہ اس روشنی کو اطرافِ عالم میں پھیلا دیا تھا۔

اسلام چند مخصوص عقائد یا کسی سیاسی نصب العین کا نام ہی نہیں بلکہ وہ ایک ایسی تہذیب اور ثقافت کا داعی اور علم بردار بھی ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ جو تخریبی تصورات پر نہیں بلکہ تعمیری تخیلات پر مبنی ہے اور جس کا دائرۂ عمل واثر کسی ایک قوم، ملک یا ملت ہی تک محدود نہیں بلکہ وہ بنی نوع انسان کی عمومی فلاح وبہبود کے نظریے پر محمول ہے اور یہی وجہ ہے کہ طلوعِ آفتابِ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق جو مفید اور ترقی پسندانہ نظریات قائم کیے تھے وہ آج بھی دنیا کی ترقی یافتہ تہذیب کی بنیاد بنے ہوئے ہیں۔ بیک مین نے اپنی کتاب ”تاریخ ایجادات“ میں مسلمانوں (عربوں) کی تہذیبی خدمات کو ان الفاظ میں سراہا ہے:

> ”عرب قوم بے حد شریف تھی اور عربوں نے ہمارے لیے علم وحکمت کے بے بہا ذخائر فراہم کرنے کے علاوہ جو مفید ایجادات بھی چھوڑی ہیں، ان کے لیے ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔“

تہذیبی ترقیوں کے لیے وسعت نظر اور کشادہ دلی بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے اور جو قومیں ان خوبیوں سے محروم ہوتی ہیں، ان کی تہذیب اور ثقافت بھی محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ مسلمانوں کی تہذیبی اور تمدنی ترقیوں میں ان کی بے تعصبی، کشادہ دلی اور وسعت نظر ہمیشہ کار فرما رہی اور انھوں نے اپنے دورِ اقتدار میں غیر قوموں کی زبانوں اور ان کے علمی نظریات کے متعلق اپنے قلوب میں ایک لمحے کے لیے بھی نفرت اور تعصب کو راہ نہیں دی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب قبولِ اسلام کے بعد عربوں کو عروج حاصل ہوا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے کم وبیش نصف دنیاے معلومہ کے مالک بن گئے تو انھوں نے مفتوح اقوام کی تہذیبی خصوصیات اور علمی سرمایے کو نظر انداز اور تباہ کرنے کے بجاے انھیں محفوظ رکھا۔ مسلمانوں (عربوں) کے عروج کے ابتدائی دور میں جب یونانی حکمت اور فلسفہ دم توڑ رہا تھا اور سحر وساحری نے انسانی عقل ودانش کو مغلوب کر لیا تھا تو مسلمانوں نے نہ صرف یونانی حکمت اور فلسفے کو فنا ہونے سے بچا لیا بلکہ انھوں نے علم کے ان شعبوں میں مفید اضافے بھی کیے اور اس عہد کی بعض یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب علما نے حکمت اور فلسفہ سے متعلق نئے اور ناقابلِ تردید نظریات بھی قائم اور پیش کیے۔ مسلمانوں کی علمی ترقیات کا یہ دور آٹھویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر بارہویں صدی عیسوی تک

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

جاری رہا اور اگرچہ اس دور کا آغاز بنی امیہ کے عہد حکومت ہی میں ہو گیا تھا لیکن خلفاے عباسیہ نے اسے درجۂ کمال پر پہنچا دیا اور تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کے مذکورہ بالا علمی دور کی ابتدا مورخین، سوانح نگاروں اور تاریخی واقعات کو نظم کرنے والے شعرا کی کاوشات سے ہوئی تھی لیکن ذوقِ مطالعہ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے مسلمان قصص وحکایات کی ترتیب وتدوین میں بھی کسی دوسری ترقی یافتہ قوم سے پیچھے نہیں رہے اور آہستہ آہستہ اس عہد کا اسلامی ادب زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو گیا۔

آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر اور نویں صدی عیسوی کے اوائل کا زمانہ مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت نے انتہائی ترقی کر لی تھی اور ان کے فوجی، سیاسی اور اقتصادی نظام کی کامیابی نے ان کی سلطنت میں رہنے والے ہر فرد کو خوش حال اور مطمئن بنا رکھا تھا اور اس لیے اس عہد میں مسلمانوں نے جو علمی خدمات انجام دی ہیں وہ آج بھی دنیا کی تاریخ کا جز بنی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد دسویں صدی عیسوی میں بغداد کو علم وحکمت کا مرکز بنا کر خلفاے عباسیہ نے علم اور فن کی جو گراں بہا خدمات انجام دی ہیں دنیا انھیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اس زمانے میں بغداد دنیا بھر کے اہل علم ودانش کا مستقر بن گیا تھا۔ خلفاے عباسیہ کے علمی ذوق کی بدولت گراں قدر رقوم خرچ کر کے سنسکرت، لاطینی، یونانی اور عبرانی زبانوں کی قدیم اور نادر الوجود کتابیں اور مسودات حاصل کیے جاتے تھے اور انھیں عربی زبان میں ترجمہ کرا کے ان کے احیا اور تحفظ کا بندوبست کیا جاتا تھا۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ منصور (754ء) کو سائنس کے ساتھ گہری دل چسپی تھی اور اس نے علم ہیئت کو اپنا خصوصی مشغلہ قرار دے کر اسے بہت زیادہ ترقی دی تھی۔ اس کے بعد جب 813ء میں خلیفہ مامون برسر حکومت آیا تو اس نے دنیا کی بہترین کتابیں جمع کر کے ان کے تراجم کرائے۔ ایک خصوصی ادارہ قائم کیا اور اسی خلیفہ کے عہد حکومت میں غیر زبانوں کی بہت سی اہم کتابیں عربی زبان میں منتقل ہوئیں۔ خلیفہ مامون نے نسطوری طبیب جارج بیکٹیچو کو یونانی زبان کی کتابوں کے ترجمے پر مامور کیا اور اسی نسطوری عالم کی بدولت یونانی علم وحکمت کے بیش تر نظریات عربی زبان کے دامن میں آئے۔ جس زمانے میں پیرس اور آکسفورڈ کے علما، ارسطو اور دوسرے نامور حکما اور علما کے نام بھی نہیں جانتے تھے۔ بغداد اور سمرقند میں ان کا نام عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا اور اسلامی دنیا کے باشندے ان کی علمی خدمات کی قدر کرتے تھے۔ پھر انھوں نے اپنی علمی مساعی کو یونانی زبان کے تراجم ہی تک محدود نہیں کر دیا تھا، بلکہ انھوں نے فارسی اور سنسکرت کی کتابوں کے تراجم بھی کرائے تھے۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے ذوقِ علمی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اول تو عرب علما دوسرے ملکوں میں جا کر وہاں کی زبانیں سیکھتے تھے اور دوسرے مفتوح ممالک سے جو خراج لیا جاتا تھا، اس میں پرانے علمی مسودات بھی شامل ہوتے تھے۔ جب خلیفہ ہارون رشید کے مقابلے میں بازنطینی شہنشاہ کو شکست ہوئی تو خلیفہ نے معاہدۂ صلح کی ایک دفعہ میں یونانی مسودات اور کتابوں کی فراہمی کو بھی لازم قرار دیا تھا۔ اور عباسی خلفا کے عہد خلافت کی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا دربار اہل علم ودانش، اصحابِ تصنیف وتالیف، علما وحکما نیز شعرا اور اطبا کا مرجع بنا ہوا تھا۔ ان میں یہودی، نصرانی، بت پرست اور آتش پرست غرضے کہ مسلمان اور غیر مسلم سب ہی شامل تھے اور مذہب ومسلک کے اختلاف سے بالاتر رہتے ہوئے ان کی علمی اور فنی صلاحیتوں کے پیش نظر انھیں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

فرانسیسی عالم اسٹینسلاس ”مذاہب کی سائنس“ میں لکھتا ہے:

> ””زمانۂ وسطیٰ کی تاریخ اسلام بجاے خود تہذیب انسانی کی تاریخ ہے اور دنیا کو اس کے لیے مسلمانوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے یونانی حکمت اور فلسفہ کو نابود ہونے سے بچا کر نہ صرف مغرب ہی کو بیداری کا پیغام دیا بلکہ ان کی بدولت علم وفن کے قوی ترین رجحانات بھی پیدا ہوئے۔ ساتویں صدی عیسویں میں پرانی دنیا (مسیحی دنیا) موت وزیست کی کش مکش میں مبتلا تھی لیکن عربوں کی فتوحات نے اس کے کم زور جسم میں تازہ خون دوڑا دیا۔ انھوں نے ارسطو، افلاطون اور اقلیدس کے نظریات کو نشاۃ ثانیہ بخشی اور ہسپانیہ کو علوم وفنون کا مرکز اور مستقر بنا کر انھیں مغرب میں پھیلا دیا۔“

انگریز مصنف 'ایچ. جی. ویلز' اس امر کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے:

''مہذب دنیا آج علم وحکمت کی جن برکتوں سے مستفید ہورہی ہے، وہ مسلمان عرب ہی کی بدولت نازل ہوئی تھی۔''

عہدِ وسطی کی قوم مسلم نے مشرق کے علاوہ مصر اور یونان کے تمام تر قدیم علوم کو نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ کرلیا تھا۔ انھیں نئے سرے سے ترتیب دیا۔ ان میں ضروری ترمیمات اور اصلاحات کیں۔ ایک عیسائی مورخ جس پر مسلمانوں کی طرف داری اور حمایت کا شبہہ تک نہیں کیا جاسکتا، ان کے علمی کارناموں کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''عربوں نے سائنس اور فلسفے کی قلم رو کو بھی اسی طرح فتح کرلیا تھا جس طرح رومۃ الکبریٰ کو اور انھوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ایک صدی کے اندر اندر تمام تر فلسفۂ یونان کو عربی زبان میں منتقل کرلیا تھا۔''

مسلمانوں میں سب سے پہلا علم دوست حکمراں خاندان خلفائے بنی عباس کا خاندان ہے۔ اس خاندان کے عہد حکومت میں علوم وفنون کو جس درجہ ترقی حاصل ہوئی تھی اسے بیان کرنے کے لیے ایک طویل فہرست درکار ہے۔ لیکن یہاں اس قدر ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ اس خاندان کے حکمراں خلیفہ منصور نے بغداد کو پایہ تخت بنا کر اسے علوم وفنون کا مرکز بنا دیا تھا۔ خلیفہ اپنا بیش تر وقت علم ہیئت کے مطالعے اور ترقی میں صرف کرتا تھا اور اس نے طب اور فقہ کے مدارس بھی قائم کیے تھے۔ ہارون رشید نے یہ حکم نافذ کیا تھا کہ اس کی مملکت کی حدود میں ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی منسلک ہونا چاہیے، پھر ان مدارس میں صرف دین ہی کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی، بلکہ مختلف علوم کی درس وتدریس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان مدارس کے دروازے غیر مسلموں کے لیے بھی کھلے رہتے تھے، جن کے لیے دینِ اسلام کی تعلیم حاصل کرنا ضروری نہیں تھا۔ اور حکومت کی طرف سے ہر طالب علم کو خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، حصولِ علم کی ہر ممکن سہولت دی جاتی تھی۔ لیکن ایشائی علوم کی ترقی کے لحاظ سے درخشاں ترین زمانہ خلیفہ مامون کا عہدِ خلافت تھا۔ اس کے زمانے میں دنیائے اسلام ہی کی چیدہ شخصیتیں نہیں بلکہ اس دور کی غیر مسلم چیدہ شخصیتیں بھی بغداد میں جمع ہوگئی تھیں۔

زمین کے گول ہونے کا تصور: مامون کے عہدِ خلافت سے پہلے زمین کو گول نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن اس کے زمانے میں پہلی مرتبہ زمین کے گول ہونے کا خیال ظاہر کیا گیا۔ جب مامون کو اس نئے نظریے کا علم ہوا تو اس نے نہ صرف اس نظریے کی تصدیق ہی کرائی بلکہ زمین کے دائرے کی پیائش کا بھی حکم صادر کیا، اور اس زمانے کے ماہرین نے پیائش کے بعد بتایا کہ زمین کا محیط 24 ہزار میل ہے اور آج بھی زمین کے محیط کے سلسلے میں مسلمانوں کی دریافت تقریباً صحیح سمجھی جاتی ہے۔

اس طرح مسلمانوں میں علمی تحقیق اور ترقی کا جو اعلیٰ مذاق پیدا ہوگیا تھا وہ ان کے شدید باہمی اختلافات کے باوجود اپنی جگہ برقرار رہا حتی کہ جب اسلامی سلطنت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی اور خاندانِ عباسیہ کے سیاسی حریفوں نے مصر میں فاطمی اور ہسپانیہ میں اموی حکومتیں قائم کرلیں تو تینوں حکومتیں سیاسی میدان کے علاوہ علم اور فن کے میدان میں بھی ایک دوسرے کی رقیب بنی رہیں۔

علوم میں عربوں نے ہر اس موضوع کو ترقی دی تھی جو دماغ کے نشو ونما اور ترقی میں معاون بن سکتا تھا۔ عرب بجا طور پر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ تنہا عربوں نے جتنے شعر موزوں کیے ہیں اتنے شعر تمام قوموں نے مجموعی طور پر بھی موزوں نہیں کیے۔ یونانی صرف ذہن اور دماغ کے تصورات کو سائنس کی ترقی کا ذریعہ سمجھتے تھے، لیکن مسلمانوں (عربوں) نے اس طریق کار کی غلطی محسوس کی اور انھوں نے نظریات کی کسوٹی پر کسنے اور تحقیق وتفتیش کرنے کے بعد سائنس کو ترقی دی۔

خلافت عباسیہ ہی کے دور میں کتب خانوں کے قیام اور انھیں ترقی دینے کا کام بھی شروع کیا گیا تھا۔ اس عہد کے مورخوں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مامون کئی سو اونٹوں پر کتابوں کے قلمی نسخے اٹھوا کر بغداد لایا تھا اور اس نے یونان کے بادشاہ میکائیل سوم کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں سے ایک کتب خانہ خلیفہ کی نذر کیا جائے۔ قاہرہ کے فاطمی خلفا کے کتب خانے میں کتابوں کے خوش خط لکھے ہوئے ایک لاکھ مجلد نسخے موجود تھے اور خلفائے اندلس کے کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور ان کی فہرست چوالیس جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ مشہور مورخ

'گبن' نے مسلمانوں کی علم دوستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بادشاہوں کے علاوہ امرا بھی علم دوستی کے جذبے سے سرشار تھے اور اس معاملے میں ان کے باہمی مقابلوں نے علم کی برکتوں کو عام کردیا تھا اور علم کچھ اعلیٰ طبقوں ہی کے لیے مخصوص نہیں تھا بلکہ اسے مزدور اور دست کار بھی حاصل کرتے تھے۔ ضرورت مند طلبہ کے لیے وظائف مقرر تھے اور اساتذہ کی محنت اور قابلیت کا صلہ معقول تنخواہوں کی صورت میں دیا جاتا تھا۔''

علم طب میں مسلمانوں کی خدمات: آج یورپ علمِ طب میں ساری دنیا کی رہ نمائی کررہا ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جن بنیادوں پر آج یورپ نے اس فن میں ترقی کی ہے وہ مسلمانوں ہی کی قائم کی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں نے صرف نئے نئے ممالک فتح کرنے ہی میں اپنی غیر معمولی استعداد کا ثبوت نہیں دیا بلکہ انھوں نے علوم و فنون کی ترویج میں بھی بے مثال کارنامے انجام دیے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ علم طب میں کسی زمانے میں مسلمانوں نے اس درجہ ترقی کرلی تھی کہ ساری دنیا اس فن کے معاملے میں مسلمانوں (عربوں) کے نقش قدم پر چلتی رہی ہے۔ آج یہ سمجھنا چاہیے کہ اس فن میں بھی یورپ کو مسلمانوں ہی کے سامنے زانوے ادب تہ کرنا پڑا ہے، اور مسلمان ان کے استاذ ہیں۔ پروفیسر فلپ ہٹی رقم طراز ہیں:

''علم طب سے عربوں کو جو غیر معمولی دل چسپی تھی اس کی بڑی وجہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جس نے علم کو دو شاخوں میں منقسم کردیا ہے، یعنی دین اور طب۔ اس زمانے میں طبیب اپنے فن میں ماہر ہونے کے علاوہ مابعد الطبیعات کا جاننے والا، فلسفی اور حکیم بھی ہوتا تھا۔ اسی لیے اس زمانے میں مختلف امراض میں ادویہ کے استعمال کے سلسلے میں عربوں نے بعض نہایت اہم انکشافات کیے تھے۔ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے سب سے زیادہ دوا سازی کے فن اور عطاری کے فن کو ترقی دی۔ صیدل دوا سازی کا سب سے پہلا ادارہ ہے جو عربوں نے قائم کیا اور دوا سازی کے فن پر ''قرابادین'' کے نام سے پہلی کتاب دنیا کے سامنے پیش کی۔''

پروفیسر مذکور کے علاوہ تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں ہی نے فن طب کو ترقی دینے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے اور انھوں نے اس فن کو وہ ترقی دی کہ آگے چل کر انھی کی کوششیں یورپ کی ترقی کی بنیاد ثابت ہوئیں۔ مسلمانوں نے اگلے زمانے کی مستند کتابوں کو ترجمے کے ذریعے عربی میں منتقل کیا، خلفائے بنی عباس کی قدر دانیوں نے مسلمانوں میں ریسرچ کا شوق پیدا کیا اور بجائے ترجمے کے نئی نئی محققانہ تصانیف کا دور شروع ہوا اور اس دور میں طب انسانی اور طب حیوانی پر بیشمار کتابیں تصنیف کی گئیں۔

جرجی زیدان لکھتا ہے:

''اہل یورپ نے جب اپنی آخری ترقی کے دور میں دوا سازی کے فن کے مطالعے کی طرف توجہ کی تو انھیں معلوم ہوا کہ عرب کے مسلمان ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے اس فن کے اصول وضع کیے اور یہی وہ قوم تھی جو دواؤں اور جڑی بوٹیوں کی تحقیقات اور تلاش میں صدیوں تک مشغول رہی ہے۔ مزید برآں اسی قوم نے جدید دواؤں کو بھی مستنبط کیا اور قرابادینوں کو پہلے پہل تالیف کیا جو اپنی اصلی شکل وصورت میں ہم تک پہنچیں۔'' (تاریخ اللغۃ العربیہ)

مسلمانوں نے فن طب کو ترقی دینے میں غیر اسلامی ممالک کے ماہرین سے بھی پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں ہندستان کے مشہور اطبا مثلاً منکہ یا مانک وغیرہ بغداد بلائے گئے۔ بہت سی سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا ان میں سنشرت سنکھنا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس فن کو مزید ترقی دینے کی غرض سے مملکت اسلامیہ میں جا بجا مدارس اور یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ سب سے پہلے 931ء میں خلیفہ مقتدر کے حکم سے طبیبوں کے باقاعدہ امتحان کا رواج ہوا، اور صرف بغداد میں 860 ایسے طبیب تھے جنھیں مطب کرنے کی سند دی گئی۔ سلطنت عباسیہ کے عہد میں تمام اسپتالوں اور دوا سازی کے مرکزوں میں جس قرابادین پر اعتماد کیا جاتا تھا اُسے شاپور بن سہل (متوفی 255ھ) نے تالیف کیا تھا۔ پھر جب امین الدولہ ابن تلمید نے قرابادین مرتب کی تو اس پر عمل درآمد ہونے لگا۔ (ماخوذ تاریخ اللغۃ العربیہ)

(باقی آئندہ)

بساطِ سیاست

حضور حافظِ ملت

ایک عظیم سیاست داں

مفتی احمد القادری مصباحی

حافظ ملت - اس بزرگ اور جلیل القدر شخصیت کا نام ہے، جس کے بچپن، جوانی، بڑھاپا، طالب علمی اور زمانۂ تعلیم و تدریس، جس دور کو بھی دیکھا جائے درخشاں و تابندہ نظر آتا ہے۔

حافظ ملت - اس دردمندِ قوم کا نام ہے جس نے اپنی زندگی کی ساری توانائیاں قوم مسلم کے نام وقف فرمادیں۔

حافظ ملت - اس محبِ رسول کا نام ہے جو اپنے رسول کی ہر ہر ادا پر جان قربان کرنے کے لیے ہمیشہ سرگرداں رہے۔ حکمِ رسول کے آگے ہمیشہ ان کی پیشانی خم رہی۔ اطاعتِ رسول کے سرِ مو تجاوز و انحراف کرتے ہوئے انھیں نہیں دیکھا گیا۔

حافظ ملت - اس رہ نمائے قوم کا نام ہے جس نے ہمیشہ اپنی قوم کو سربلند دیکھنے کے لیے مخلصانہ جدوجہد میں عمرِ عزیز صرف کردی۔

حافظ ملت - بے شمار خوبیوں کے مالک، بے پناہ صفات کے جامع، بے شمار خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان کی ہر خوبی، ہر صفت اس لائق ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جائے۔

حافظ ملت - کی زندگی کے جس گوشے کو میں زیرِ عنوان لانا چاہتا ہوں وہ حافظ ملت کا سیاسی تدبر ہے۔

حافظ ملت کو اس صفت کے ساتھ کم لوگ پہچانتے ہیں۔ کچھ لوگ تو سیاست کو مذہب سے جدا تصور کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اہلِ مذہب کو سیاست سے الگ رہنا چاہیے۔ آج کل کے کچھ سیاسی افراد سیاست میں قدم رکھنے کے بعد مذہب کو دور ہی سے سلام کرتے ہیں اور مذہب پر ثابت قدمی کو سیاست کا دشمن سمجھتے ہیں۔

ایک اخبار میں اپنے کو سیاست کا ٹھیکے دار سمجھنے والے ایک لیڈر کا بیان جب میری نظر سے گزرا تو میں متحیر رہ گیا۔ آیئے آپ بھی وہ بیان پڑھیے۔ لکھتے ہیں...... یہ سیاست ہے، مذہبی رہ نما اور مولویوں کو اس سے کیا کام۔ انھیں قطعاً سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے، نہ انھیں اس سلسلے میں کوئی مشورہ دینا چاہیے۔

اس طرح کا خیال رکھنے والے افراد کو میں باور کرانا چاہتا ہوں کہ قطعاً مذہب اسلام سے سیاست و حکومت جدا نہیں کسی اور مذہب سے جدا ہو تو ہو۔ اسلام ہرگز اپنے ماننے والوں کو سیاست و حکومت سے الگ نہیں کرتا۔ بے شمار قرآنی آیات، احادیث کریمہ، اقوالِ صحابہ و تابعین فرمودات سلف و خلف سیاست و حکومت کی جانب رہ نمائی کرتے ہیں اور اپنے متبعین کو اس کے صحیح طریقۂ کار سے روشناس کراتے ہیں۔

خود نبیِ اکرم تاج دارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت اسلام کی داغ بیل ڈالی اور سیاست و حکومت کا سچا طریقہ سکھایا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین صحابۂ کرام نے دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلامی سیاست و حکومت کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیا۔

صرف جانشینِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو مثال میں لے لیجیے۔ ان کی سیاست سے دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں تھرا اٹھیں۔ ان کا علم اسلام عرب کے صحرا سے نکل کر قیصر و کسریٰ کے محلات پر لہرانے لگا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جلیل القدر عالم اور محدث ہونے کے باوجود خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی بے مثال اصلاحات دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ ثابت کردیا کہ درحقیقت اسلامی سیاست ہی انسان کو اطمینان و سکون دلاسکتی ہے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفۂ خاص حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی خانقاہ کا ایک تربیت یافتہ غلام سلطان شمس الدین التمش نے سرزمینِ ہند پر سلطانی کر کے کیا یہ یقین نہیں دلایا کہ کسی خانقاہ کا تربیت یافتہ ادنیٰ غلام بھی جہاں بانی کے وہ جوہر دکھا سکتا ہے جہاں بڑے بڑے مذہب بیزار لیڈران پہنچنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اسلام اور سیاست تو ایک مستقل عنوان ہے جس پر کوئی قلم کار

امریکہ۔

اپنے قلم کو جنبش دے تو بے شمار مواد اکٹھا ہوسکتے ہیں۔

میں اس وقت صرف حافظ ملت کی سیاسی بصیرت پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور اس خیالِ خام کی تردید کرتا ہوں جو مذہبی رہ نما کو سیاست سے الگ کرنے کا حامی ہے۔

قوم مسلم کو جب بھی جس قسم کی ضرورت پیش آئی حافظ ملت نے ان کی دستگیری فرمائی۔ اسی طرح سیاست میں بھی اپنی قوم کو راہِ راست پر لگانے سے دل چسپی لی اور مستقل سیاست میں حصہ لیا۔ بلکہ حافظ ملت نے ہندستانی سیاست پر ایک مستقل رسالہ "الارشاد" کے نام سے تصنیف فرمایا۔

میں اس وقت آپ کو ہندستان کی سیاست کے اس موڑ پر لے جانا چاہتا ہوں جو حصولِ آزادی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 1947ء سے قبل ہندوستان نے سیاست کے بڑے بڑے کھیل دیکھے ہیں۔ کہیں تحریکِ خلافت تھی تو کہیں ترکِ موالات۔ کبھی کانگریس انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے والی تنہا مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی تو کبھی مسلم لیگ مسلمانوں کی قیادت کا دم بھرتی تھی۔ غرض کہ اس موڑ پر ہر فن کار سیاست مسلمانوں کو اچک لینے کی فکر میں تھا۔ اس موقع پر حافظ ملت نے کس طرح قوم کی رہنمائی کی، اس کا ایک عکس آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں۔

حصولِ آزادی کی کوشش اور مسلمانوں کی رہ نمائی کے لیے "آل انڈیا سنی کانفرنس" کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس تنظیم نے سیاست اور حصولِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ اس سے متعلق اپنی جدوجہد کے بارے میں حافظِ ملت یوں رقم طراز ہیں:

"یہ خادم اپنے عقیدت مندانہ جذبات کے ساتھ سنی کانفرنس کی خدمت کے لیے تیار ہوا۔ حسب الحکم حضور والا (محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ) مبارک پور میں ضلع سنی کانفرنس قائم کی۔ اطراف میں اس کی شاخیں پھیلائیں۔ چناں چہ ڈھائی ہزار سنی مسلمان باضابطہ اس کے ممبر بنائے۔" (الارشاد-۱۶)

اس وقت ہندوستان میں دو عظیم سیاسی جماعتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ "انڈین نیشنل کانگریس" اور "مسلم لیگ"۔ باقی سبھی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ان میں سے کسی کے ساتھ ضم ہوگئیں۔

کانگریس کا دعویٰ ہندوستان کو انگریزوں کے چنگل سے چھڑا کر ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، سبھی ہندوستانیو کی ملی جلی جمہوری حکومت کا قیام تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ باہر سے آکر انگریز ہم پر زبردستی حکمراں بن بیٹھے اور ہمیں غلام بنالیا۔ لہٰذا ہندوؤں کے ساتھ سارے مسلمان مل کر ان کو بھگائیں اور ہندستان چھوڑنے پر مجبور کریں۔

انگریزوں کو ہٹانا تنہا ہندوؤں کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ تو ہزار برس سے محکوم چلے آرہے تھے مگر مسلم حاکموں نے انھیں اتنی مراعات دے رکھی تھیں کہ ان کے دورِ حکومت کو انھوں نے اپنے لیے آزادی سے بہتر اور غنیمت شمار کیا۔ مگر جب انگریزوں نے وہ مراعات ختم کر دیں تو یہ یک بیک چیخ پڑے اور غلامی کا جوا اتار پھینکنے کا ارادہ کیا مگر اپنے اندر سکت نہیں پارہے تھے، اس لیے مسلمانوں کا سہارا لیا۔

ادھر مسلم لیڈران جو کانگریس میں شامل تھے، کانگریس سے ان کی کیا سیاسی ان بن ہوگئی کہ اس سے الگ ہوگئے۔ وہی کانگریسی مسلم لیڈران جو کل تک کانگریس کا خطبہ پڑھ رہے تھے یک بیک کانگریس کو سخت دشمن کہنے لگے۔ انھوں نے مسلم لیگ کے نام سے الگ ایک تنظیم بنائی اور خود اس کے بانی و قائد بن بیٹھے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت تو پہلے ہی سے کانگریس کی مخالف تھی اور ہندوؤں کی دشمنی کا انھیں پہلے ہی سے بارہا تجربہ ہوچکا تھا مگر کوئی سیاسی تنظیم ابھر کر سامنے نہیں آئی تھی۔ مسٹر محمد علی جناح کی آواز بلند ہوتے ہی مسلمان لیگ میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ لیگ میں مسلمانوں کی شمولیت کا اندازہ ذیل کی تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب اس وقت کی عکاسی اپنے الفاظ میں یوں کرتے ہیں۔

"وہ مسلمان جو کانگریس کے خلاف مصروفِ عمل ہونے کے لیے بے چین تھے مسلم لیگ کی طرف ٹوٹ پڑے اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اس کی تائید و تقویت کرنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے طول و عرض میں لیگ پھیل گئی اور اس شان سے پھیلی کہ بہتیری خانقاہوں سے مشائخِ کرام تسبیح و مصلیٰ پھینک پھانک کر اس کی صف میں آنے لگے۔ بہتیرے مدرسوں سے علما بغلوں میں قرآن و حدیث دبائے ہوئے دوڑ پڑے۔" (اشک رواں، ص:20)

لیگ کی جانب اس بھاگ دوڑ میں سنی کانفرنس کے نمائندے بھی شامل ہوئے۔ انھوں نے اپنی تحریر و تقریر، تدبیر و تجویز، جان و مال ہر طرح سے لیگ کی حمایت کی۔۔ لیکن بھلا ہو سنی کانفرنس کے ضلعی نمائندے حافظ ملت علیہ الرحمہ کا۔ ان کی دوربین نگاہوں نے لیگ کو فوراً بھانپ لیا۔ لیگ کانگریس سے جدا کوئی نظریہ نہیں رکھتی، جو فرق ہے وہ صرف دکھاوے کا ہے۔ ☆☆☆☆

نقش حیات

وقت کی اہمیت حافظِ ملت کی نظر میں

شہاب الدین مصباحی

وقت اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اس کے گزر جانے کے بعد لوٹنے کی امید رکھنا فضول ہے: اسی لیے کہا گیا ہے: الوقت کالسیف إن لم تقطعه قطعك" وقت تلوار کے مانند ہے اگر تم اس کو مصرف میں نہیں لاؤگے تو تم کو کاٹ دے گا۔ کسی شاعر نے بڑا پیارا شعر کہا ہے:

جمیع المصالح تنشاء من الوقت
من اضاعه لم یستدرکه ابدا

تمام مصلحتیں وقت ہی کی پیداوار ہیں جس نے اس کو ضائع کر دیا پھر کبھی نہیں پا سکتا

عمل پیہم، جہد مسلسل ایک کامیاب مومن کی پہچان ہے۔ جب ہم اپنے اسلاف کی حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی حیات سے جڑے ہوئے وقت کے متعلق ایسے ایسے نمونے ملتے ہیں، جنھیں لوگ آج محض افسانہ تصور کریں گے۔ ابن ابواصبعیہ کا قول ہے کہ قاضی شمس الدین خوئی نے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کے بارے میں بتایا کہ وہ خود فرما رہے تھے: واللہ علم کی مشغولیت کے بجائے کھانے میں جو میرا وقت فوت ہو جاتا ہے اس پر مجھے بہت افسوس ہوتا ہے یقیناً وقت اور زمانہ بہت قیمتی چیزیں ہیں۔ یہ بات تو بہت پرانی ہے اگر ہم قریب کے ایک عظیم تعلیمی انقلاب کے داعی حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) کی حیات مبارکہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ وقت کی قدر و قیمت کیا ہے اور پابندی اوقات کس چیز کا نام ہے۔ آپ کی زندگی کے شب و روز کام سے عبارت تھے، آپ کی انتھک کوششوں اور بے پناہ محنتوں کا نتیجہ ہے کہ جو علاقہ تعلیمی لحاظ سے بنجر تھا وہ آج شہرستان علم و فن بنا ہوا ہے، آپ نے وقت کی اہمیت انسانی زندگی کی مشغولیت کو اپنے ایک جملے میں اس طرح سمیٹ دیا کہ اگر اس کو کوزہ میں سمندر سمونا کہیں تو بجا ہوگا، آپ فرماتے ہیں: ''زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام'' انسانی زندگی کی تمام نقل و حرکت اور اس جملہ فرائض اور ذمہ داریوں کے جامع اس کلام کی گہرائی میں اتر کر اس کی تہ کو ناپا جائے تو اس میں ہر وہ چیز ملے گی جو وقت کی اہمیت کے متعلق بیان کی جاتی ہے وقت کو کام لانا اور مشغول رہنا ایک حساس متحرک باارادہ کی پہچان ہے، جس میں نقل و حرکت نہیں وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''کام زندگی ہے بے کاری موت ہے'' اور بے کار وقت گنوانے ہی کو بے کاری کہتے ہیں۔

بعض لوگ اس منفی ذہنیت کے شکار رہتے ہیں کہ بغیر محنت و مشقت کے خوب شہرت اور ناموری حاصل کی جائے آپ کا ارشاد گرامی: کام کے آدمی بنو کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے'' ایسی ذہنیت کی تردید کرتا ہے اور سستی و کاہلی کو چھوڑ کر کام کے آدمی بننے کی دعوت دیتا ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: آدمی کو کام کرنا چاہیے، شہرت اور ناموری کی فکر میں نہیں پڑنا چاہیے کام کرو ہی اس کے صدقے میں نام اور شہرت حاصل ہوگی اور جو شہرت کی فکر میں پڑتا ہے وہ اصل میں کام نہیں کرتا ہے اسی طرح آدمی کو منصب اور عہدے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے بلکہ کام کرتے رہنا چاہیے منصب اور عہدے خود ہی اس کا قدم چومیں گے۔ (حافظ ملت نمبر اشرفیہ، ص 410)

حافظ ملت کا تعلق درس و تدریس تھا اس لیے تحفظ وقت کا خیال بہت زیادہ رکھتے تھے طلبہ کو ہمیشہ اپنے ناصحانہ کلمات کرامت آثار جملوں سے نوازتے تھے اور تحفظ اوقات کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: ''تضیع اوقات سب سے بڑی محرومی ہے'' (حافظ ملت نمبر، ص: 520)

لوگ دنیاوی دیگر نعمتوں سے محرومی کو محرومی تصور کرتے ہیں لیکن وقت جیسی عظیم نعمت کے کھونے کو محرومی نہیں سمجھتے اس پر افسوس نہیں کرتے۔ آپ طلبہ کے اوقات کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے: اعظم المصائب فوت الوقت بلا فائدۃ'' اپنے وقت کو بے کار گزار دینا سب سے بڑی مصیبت ہے اس ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جمعرات اور جمعہ کی چھٹیاں ہفتہ بھر پڑھے ہوئے اسباق کو دیکھنے کے لیے ہوتی ہیں۔'' (معارف حافظ ملت، ص: 45)

درس و تدریس کے سلسلہ میں حضور حافظ ملت کو ذرا بھی کوتاہی برداشت نہیں ہوتی چاہے وہ طلبہ کی جانب سے ہو یا اساتذہ کی جانب سے آپ درس کے وقت درس کے علاوہ کوئی کام کرنا پسند نہیں فرماتے، گرمی، برسات، سردی علالت ہو یا تکان آپ اپنا کام وقت پر کیا

کرتے تھے خارجی مصروفیات میں اضافہ ہو جاتا مگر درس و تدریس کے معمولات پر اس کا اثر نہیں آنے دیتے۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت علامہ بدر القادری کا بیان ہے کہ: دار العلوم درس دینے کے لیے پہنچنے کا جو آپ کا وقت تھا اس میں کیا مجال جو منٹ دو منٹ کی تاخیر ہو جائے بلکہ آٹھ بجے اگر تعلیم شروع ہونے کا وقت ہے تو آپ ہمیشہ پانچ منٹ پیشتر اپنی درس گاہ میں پہنچ چکے ہوتے تھے قیام گاہ سے نکلنے اور راستہ طے کرنے میں آپ کتنے قدم چلتے تھے گھڑی کی سوئیوں کے مانند وہ بھی متعین تھا لوگ آپ کی آمد سے اپنی گھڑیاں درست کرنا چاہتے تو کر لیا کرتے۔ (حیات حافظ ملت ص: 227)

طلبہ پر حافظ ملت کی شفقت و محبت بہت مشہور ہے، ماں باپ سے بھی زیادہ پیار طلبہ سے کرتے تھے علالت میں عیادت، تنگدستی میں مالی امداد کیا کرتے مگر تعلیمی اوقات کا ضیاع اور درس میں کسی قسم کی کوتاہی آپ کو برداشت نہیں تھی۔

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی بیان فرماتے ہیں کہ'' ایک بار مدارک شریف کے سبق میں ہم لوگ تین چار منٹ تاخیر سے پہنچے تو سخت برہم ہوئے اور باز پرس فرمائی کہ دیر کیوں کی؟ جواب کسی کے پاس نہ تھا اس لیے کہ کسی ضروری کام میں مصروفیت یا کوئی معقول عذر تو تھا نہیں جسے پیش کر سکتے چار منٹ کا وقفہ ان کی درس گاہ کے سامنے ہی بے کاری میں گزارا تھا میں نے سمجھ لیا کہ نہ آج کوئی اس سوال کا جواب دے گا نہ اس کے بغیر حضرت سبق پڑھائیں گے اور آج یوں ہی واپس جانا ہوگا، خیر ہمارے رفیق درس مولانا نصیر الدین صاحب کو آخر بات سمجھ میں آ گئی، عرض کیا: معاف فرمائیں آئندہ ایسا نہ ہوگا اتنا سننے کے بعد حضرت کا چہرا بدل گیا ''ہاں'' کہا اور سبق شروع کر دیا۔ (انوار حافظ ملت ص، 28-27)

حافظ ملت کی تنبیہ اور ان کی عمدہ تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کی درس گاہ فیض رساں سے جتنے بھی طلبہ نے فیض پایا وہ اپنے وقت کے آفتاب و ماہ تاب بن کر افق عالم پر جگمگا رہے ہیں حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے اپنے خلوص اور دین کی خاطر ایثار و قربانی کے ذریعے ایک عالم کو فیض یاب کیا سچ کہا ہے کسی نے:

جس نے پیدا کیے کتنے لعل و گہر حافظ دین و ملت پہ لاکھوں سلام

وقت کا پابند ہونا ہر با اصول اور اعلیٰ ظرف انسان کی پہچان ہوتی ہے وہ اپنے وقت کے ہر ہر لمحہ کو کام میں لاتے ہیں اور موقع غنیمت جان کر ان کا صحیح استعمال کرتے ہیں حافظ ملت اسی صفت میں اپنی مثال آپ تھے۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی صاحب فرماتے ہیں: حضور حافظ ملت سراپا عملی انسان تھے آپ نے دن رات کے چوبیس گھنٹے میں ایک ساتھ اتنے کام کیے ہیں کے آج سوچ کر آدمی کی عقل حیران ہو جائے اپنے عنفوان شباب میں جب آپ کا قیام وطن میں تھا گو آپ ایک مدرسہ میں ملازمت کرتے تھے ایک مسجد میں با قاعدہ امامت فرماتے تھے اور گھر کا کام روزانہ اتنا کر لیتے تھے کہ جو لوگ صرف اسی دھندے میں لگے ہوئے تھے ان سے زیادہ ہوتا اور ان سب پر مستزاد۔ روزانہ ایک ختم قرآن عظیم کی تلاوت تھی۔

مبارک پور تشریف لائے تو روزانہ تیرہ سبق پڑھاتے جس میں سب سے نیچے درجہ کی کتاب ''شرح ملا جامی'' تھی رات میں ایک دن ناغہ سے ایک بجے تک مناظرہ کی تقریر کرتے مخالف کیمپ کی تقریروں کے نوٹ پڑھ کر اس کے جواب کی تیاری اور مختلف طلبہ و مدرسین کو اس کی تلقین و تدریس کرتے باہر سے آئے ہوئے فتووں کا جواب بھی خود ہی دیتے۔ (حافظ ملت نمبر ص: 157)

حضور حافظ ملت کی شخصیت اس دور کے علما و طلبہ کے لیے درس عبرت ہے خصوصا طلبہ کو ان کی حیات مبارکہ کو نمونہ بنانا چاہیے۔ آج بڑی بے دردی کے ساتھ وقت کو ضائع کر دیا جاتا ہے اس کا کچھ بھی پاس و لحاظ نہیں رکھتے لیکن حافظ ملت نے جس طرح وقت کی قدر دانی کا حکم دیا اسی طرح عمل کر کے دکھایا بھی۔ آپ کی اس مبارک صفت کا عکس آپ کے بعض شاگردوں میں بھی نظر آتا ہے جو اپنے فرائض کو ہر کام پر مقدم کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا اپنا فریضہ تصور کرتے ہیں۔

طلبہ پر حافظ ملت کی نگاہ زیادہ رہتی آپ اپنے خطاب میں فرماتے ہیں وقت بہت قیمتی چیز ہے گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں وقت کا ضیع کرنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور خاص کر تعلیم کے اوقات کو بالکل ضائع نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ سب سے قیمتی اوقات ہوتے ہیں۔ (ملفوظات حافظ ملت ص: 38)

طالب علم کو اپنی ذمہ داریوں سے پورے طور پر سبکدوش ہونا چاہیے اور اس کو اپنا ایک فریضہ تصور کرنا چاہیے اگر ایسا کیا جائے تو بے کار وقت ضائع کرنے کے لیے اس کو فرصت ہی نہیں ملے گی۔

حافظ ملت علیہ الرحمۃ جہاں بہت سی خصوصیات کے جامع تھے وقت کی قدر و قیمت، ذمہ داریوں کی بجا آوری ان میں ایک نمایا خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وقت کے تحفظ کی توفیق بخشے۔ آمین

حضور حافظِ ملت

مناقب جلیلہ کے آئینے میں

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

جن شخصیات پر حقیقی معنی میں عظیم کہلائے جانے کا اطلاق ہوتا ہے وہ دنیاوی کروفر، نام ونمود اور دولت وشہرت کی خاطر صراطِ مستقیم پر گام زن رہتے ہوئے بندگانِ الٰہی کو اسی راہِ خداوندی پر چلاتے رہتے ہیں، وہ دینِ متین کی تبلیغ واشاعت، خدمت خلق اور قوم وملت کی فلاح وصلاح کے لیے اپنی حیات کا لمحہ لمحہ وقف کیے رہتے ہیں اور ایسے ہی بندوں کو رب عظیم نے اپنا احسان یافتہ بندہ فرمایا ہے۔

اور جب اللہ نے اپنا مقبول بندہ بنالیا ہے تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ صاحب عظمت بے نام و بے نشان ہو کر رہ جائیں۔ ربِ کائنات ان کی محبت بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور وہ خود ان کی عظمت کے گن گانے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے مخالفین و حاسدین کے دلوں میں بھی ان کی ایسی ہیبت بھر جاتی ہے کہ وہ بھی ان کی اچھائیوں اور بڑائیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ایک ایسی ہی عظیم وجلیل شخصیت اور خدائے لم یزل کے احسان یافتہ بندے کو زمانہ ''حافظ ملت'' کے نام نامی اسمِ گرامی سے جانتا، پہچانتا اور مانتا ہے، یعنی استاذ العلما جلالۃ العلم حافظ ملت ابوالفیض حضرت علامہ مولانا مفتی حافظ شاہ عبدالعزیز صاحب قبلہ مرادآبادی ثم مبارک پوری بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور قدس سرہ العزیز کو۔

حضرت حافظ ملت اپنی عظمت و بزرگی، خدماتِ جلیلہ اور تقدیسی کارناموں پر اپنی سادگی اور انکساری کا پردہ ڈالے رہے لیکن انھیں دیکھنے اور پرکھنے والوں نے حجاب اٹھا اٹھا کر دیکھا اور ہر پردے میں ان کی عظمت ورفعت اور تقدیس وجلالت کے ایک سے بڑھ کر ایک حسین جلوے دیکھے اور ان کے سامنے عقیدت و نیاز کی جبینیں خم کرتے رہے، ان کی بڑائی اور بلندی کے گیت گاتے رہے، حتی کہ مخالفین اور حاسدین کو بھی انھیں عظیم ماننے پر مجبور کر دیا اور خود کو بے نام ونشان سمجھنے والا وہ عظیم اور نیک انسان ایسا نام ونشان والا بن کر چمکا اور چمک رہا ہے کہ زمانے کی کوئی بھی بے داد آندھی اس تب وتاب کو دھندلا سکتی ہے نہ ہی ظلمت وتیرگی کی کوئی پرچھائیں اس درخشندگی کے قریب پھٹک سکتی ہے۔

اگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ عظمت و رفیع میں صاحبانِ علم وقلم منثور ومنظوم خراج ہائے تحسین وعقیدت نہ بھی پیش کرتے تب بھی علم وفضل کا شہرستان جمیل، تیرگیِ باطل کو کافور کرنے والا غلبۂ اسلام کا بلند و بالا منارۂ نور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ان کی عظمت کی گواہی کے لیے کافی تھا جو ان کی بڑائی و بلندی اور تقدیسی کارناموں کی داستان سنا رہا ہے اور وہ چراغ جنھیں حافظ ملت نے روشن کیا تھا اور جو پوری دنیا میں ''مصباحیوں'' کی شکل میں دین وسنیت اور علم وفضل، فن وادب کا اجالا برپا کر رہے ہیں، ان کی روشنیاں ہی منعکس ہو ہو کر ان کی اجلی اجلی شخصیت، ان کی نورانیت وروحانیت اور ان کے تابندہ کارناموں کو جگ ظاہر کر کے ان کی عظمتوں کا برملا اظہار کر رہی ہیں۔

نام ونشان سے بے پروا حافظ ملت کو ربِ کائنات نے ایسی مقبولیت عطا کی تھی کہ خود ان کی حیات ظاہری میں بڑے بڑے جبہ و دستار والے اور کج کلاہانِ عصر ان کے سامنے زانوے ادب طے کرتے رہے، ان کی عظمتوں کو سلامی دیتے رہے۔ مدرسوں اور دانش کدوں میں، خانقاہوں اور درس گاہوں میں، جلسوں اور کانفرنسوں میں اور محفلوں ومجلسوں میں ان کی عظمتوں کے گن گان ہوتے رہے اور جب انھوں نے آخری انگڑائی لی اور اس دنیا کو الوداع کہا تو ایک کہرام برپا ہو گیا۔ آہیں اور سسکیاں ہی نہیں نکلیں، چیخیں اور کراہیں بلند ہوئیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابل پڑے۔

حافظ ملت کی جدائی کے غم میں ان کے اہل خانہ، اعزہ واقربا، عامۃ المسلمین، تلامذہ ومریدین، معتقدین ومتوسلین، طالبانِ علمِ دین، علما ومشائخ اور مدبرین ومفکرین ہی کی آنکھیں اشک بار نہیں ہوئیں بلکہ جب اہل سنت کے تاج دار کروڑ ہا دلوں کے قرار سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کو وصال حافظ ملت قدس سرہ کے بعد ''استقامت ڈائجسٹ'' کانپور کی ورق گردانی کرتے ہوئے رحلت

حافظ ملت کی خبر پر نظر پڑی تو جیسے ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ یہ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے۔ نورانی آنکھوں سے اشکوں کے موتی ابل پڑے اور ایک آہ بھرتے ہوئے فرمایا: ''آہ مجھے پہلے کیوں خبر نہیں کی گئی۔ اب حافظ صاحب کا بدل بہت مشکل ہے۔ اور پھر حضور مفتی اعظم نے دعائے مغفرت کے لیے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔ (راقم یہ آنکھوں دیکھا حال اپنی تالیف ''مفتی اعظم ہند'' میں پیش کر چکا ہے)۔

انھیں سرکار مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ نے اپنے تیسرے اور آخری حج وزیارت پر جانے سے قبل ایک دن معتقدین کے مجمع میں یہ فرمایا کہ: ''حج وزیارت کے لیے فوٹو کا قانون نافذ ہونے کے بعد بغیر فوٹو کے حافظ عبدالعزیز صاحب نے فریضۂ حج ادا کیا اور الحمد للہ بغیر فوٹو کے حج وزیارت کا یہ شرف اس فقیر کو حاصل ہونے جا رہا ہے۔

تاج دارِ اہل سنت اور اپنے زمانے کے تاج دارِ ولایت (خود سرکار حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی اعظم ہند کو تاج دارِ ولایت کہا ہے۔ ملفوظات حافظ ملت) کا یہ فرمانا اور وصال حافظ ملت کی خبر پڑھ کر اشک بار ہو جانا، عظمت حافظ ملت کی گواہی کے لیے کم ہے، نہیں نہیں، یہ تو وہ گواہی ہے جو لاکھوں گواہیوں پر بھاری ہے۔

اور عظمت حافظ ملت پر ایک شہادت اور ملاحظہ کیجیے: جہانِ سنیت کی آبرو یقین کے ماہِ مبین سیدنا سرکار احسن العلما حضرت مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی قدس سرہ العزیز حافظ ملت کی بڑائی کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

''علم وحکمت کا یہ درخشندہ آفتاب جس کی ضیا باری سے اقطارِ ہند وبیرون ہند منور، جس کی شعاعیں دور دور تک بکھری ہوئیں، جو یقیناً کھانے کے دسترخوان سے لے کر محراب ومنبر اور مسند درس وافتا سے تخت مشیخت تک حافظ ملت تھے۔'' (ماہ نامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر)

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی عظمت کے اظہار میں حضور احسن العلما قدس سرہ کا قول بھی ایک دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔

وصالِ حافظ ملت پر جہانِ سنیت سے آئے ہوئے تعزیت ناموں، پیغامات، اور تاثرات کے انبار لگتے چلے گئے۔ ان کے عرسِ چہلم تک ان کی حیات وشخصیت پر متعدد کتب ورسائل بھی طبع ہو کر منظر عام پر آئے۔ سخنورانِ عصر نے ان کی بارگاہ عظمت میں منظوم خراج ہائے تحسین وعقیدت بھی پیش کیے۔ ادبا اور مصنفین نے مقالات ومضامین لکھے۔ بعد میں ماہ نامہ اشرفیہ کا ''حافظ ملت نمبر'' بھی شائع ہوا۔ اور تب سے اب تک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات وشخصیت اور ان کے کارناموں پر لکھے جانے کا ایک سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ اقدس میں سخن ورانِ عصر نے جو منظوم خراج ہائے عقیدت وتحسین پیش کیے ہیں اور جو ماہ نامہ اشرفیہ کے ''حافظ ملت نمبر'' اور دوسرے شماروں نیز دیگر جرائد ورسائل اور شعرا کے دواوین میں شائع ہو چکے ہیں، انھیں کا احاطہ دشوار ہے کجا ان پر شائع نثری تحریروں کا۔ لہٰذا راقم اس مضمون میں فی الوقت ''حافظ ملت نمبر'' ہی میں شامل ان کے مناقبِ جلیلہ کی روشنی میں ان کی شخصیت اور تقدیسی کارناموں کا ایک جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے کہ ان صاحبانِ فن وادب نے جن میں علما ومشائخ بھی ہیں، حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کو کیسا دیکھا، کیسا پایا اور ان کے کارہائے نمایاں کو کسی حد تک اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مستقل مناقب کے علاوہ متعدد شعرا کے متفرق اشعار وقطعات اور قطعات تاریخ وفات بھی اس نمبر میں شامل ہیں۔ انھیں بھی اس جائزے میں شامل رکھا جائے گا۔

(1) پدم شری الحاج بیکل اتساہی، حافظ ملت کے مریدین میں سب سے زیادہ چہیتے اور بارگاہِ مرشد کے مقرب ومعتبر ومستند رہے ہیں اور خود بیکل صاحب کو اپنے مرشد برحق سے ایسی عقیدت ومحبت تھی کہ بس یہی کہا جائے کہ وہ اس شمعِ فروزاں کے پروانے تھے۔ بیکل نے ''صنعتِ توشیح'' میں جو منقبت بارگاہِ مرشد میں پیش کی ہے اس کا عنوان ہے ''حضور حافظ ملت'' آپ نے ''ح'' سے لے کر ''ت'' تک ہر حرف پر ایک شعر لکھا ہے۔ مطلع اس طرح ہے۔

ح: حافظِ قرآں، احادیث وشریعت آشنا
حاجی الحرمین، انوار وطریقت آشنا

بیکل صاحب نے اپنی منقبت میں حضور حافظ ملت کے علم و فضل، زہد وتقویٰ، سادگی، ایثار اور بالخصوص ''تعمیر اشرفیہ'' کے کارنامۂ عظیم کا خوب صورت اظہار کیا ہے۔

ت: تابشِ تعمیر تاجِ سنیت، مردِ عظیم
تارکِ عشق وطرب تفہیم عشرت آشنا

بیکل کا یہ شعر جو متفرقات میں شامل ہے لائقِ دید ہے۔

قناعت جس پہ کرتی ناز، تقویٰ جس کا شیدائی
ہزاروں محفلوں پہ بھاری جس کی ایک تنہائی

(2) مولانا نذیر الاکرم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روایتی انداز میں حضور حافظ ملت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ شعر لائقِ دید ہے۔

حافظِ ملت حقیقت میں تمہاری ذات تھی
دینِ پاکِ مصطفیٰ کی شرح تھی جو بات تھی

(3) حکیم محمد یوسف صاحب عظیم آبادی کی مسدس میں منقبت بہت طویل ہے۔ آپ نے ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کے تعلق سے حافظ ملت کی عظمت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے وصالِ پاک سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا اظہار کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ بند لائقِ ملاحظہ ہے۔

دعا یہ ہے چمن پھولے پھلے اسلام کا ہر سو
رہے چرچا جہاں میں اشرفیہ نام کا ہر سو
کہاں تھی ابتدا اس کی کہاں ہے انتہا اس کی
یہ ڈنکا بج رہا ہے آج کس کے کام کا ہر سو
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یادگار ان کی
نظر کے سامنے گل کاریاں ہیں بے شکار ان کی

(4) حافظ ملت نمبر میں شامل مناقبِ جلیلہ میں جو منقبت تیزی سے قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے وہ ہے علامہ بدر القادری (مقیم ہالینڈ) کی منقبت جس کا عنوان ہے ''حافظ ملت''

علامہ بدر القادری صاحب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے عزیز ترین شاگردوں میں ایک ہیں۔ آپ کو حضرت قدس سرہ سے از حد عقیدت ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ آپ کے ''مرکز عقیدت'' ہیں تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

علامہ بدر کی منقبت میں ان کے جذبے کا التہاب، اور فدائیت کا شباب عروج پر ہے۔ انھوں نے ایسے شعری پیکر تراشے ہیں جو نور کے دھاروں کی طرح مچل مچل کر حضرت حافظ ملت کی بلائیں لے رہے ہیں اور ان کی روشنی منعکس ہو ہو کر حافظ ملت کی عظمتوں کا جلوہ دکھا رہی ہے۔

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کے لب و لہجے میں حضرت بدر کس بلند آہنگی کے ساتھ لب کشا ہوتے ہیں۔

یہ کون اٹھا ہند شمالی کی زمیں سے
علم اور حقائق کی سنبھالے ہوئے قندیل
سدرہ کے مکینوں سے سنا بدر نے اک راز
ہونے کو ہے اب آرزوے شوق کی تکمیل

جنابِ بدر نے حسین استعاراتی انداز میں حافظ ملت کی تمنائے حسین اور طالبانِ علومِ نبوت کی آرزوے شوق ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کی تاسیس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تعمیر اشرفیہ حافظ ملت کا عظیم کارنامہ ہے اور آج یہ اشرفیہ جہانِ سنیت اور علم و فضل کی آبرو اور غلبۂ اسلام کا بلند و بالا منارۂ نور بنا ہوا ہے علم و عمل کا اجالا برپا کر رہا ہے۔

جنابِ بدر نے حضرت حافظ ملت کے اخلاق و ایثار و کردار اور بزرگی و تقدیس کو بھی بہت والہانہ مگر حقیقت پسندانہ انداز میں اجاگر کیا ہے۔

حسین اور نادر تشبیہات کے جلو میں بدر محترم نے حضرت حافظ ملت کی دینی و ملی دردمندی اور عزم و حوصلہ کا بھی زبردست اظہار کیا ہے۔

اخلاص کی کشتی کا سہارا ہیں یہ بازو
یہ ہاتھ نہیں قصر تمدن کا ستوں ہے
حسنِ رخِ انجم بنے اس قوم کا سندور
یہ حوصلہ، یہ عزمِ مصمم، یہ جنوں ہے

جنابِ بدر نے حافظ ملت علیہ الرحمہ کے علم و فضل، حکمت و دانائی، عزم و حوصلہ، دینی استقامت، شریعت و سنت کی اٹل پیروی، مجاہدانہ کردار وغیرہ کو بھی بہت بلند آہنگی کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ یہ شعر خاص طور سے لائقِ توجہ ہے۔

کرتی ہے مجاہد کے عزائم کی صلابت
پتھر کی چٹانوں کو بھی چوں موجۂ سیال

حافظِ ملت کی مومنانہ شان اور مجاہدانہ آن بان کا اظہار ملاحظہ کیجیے۔

اس دور میں کس مردِ مجاہد نے کیا فاش
اوہام سے آزاد ہے مذہب کا گلوبند
ہر قطرۂ خوں میں ہے امنگوں کا تلاطم
جذبات کا سینے میں سمیٹے ہوئے طوفاں
سیلِ غم اندوہ سے ہنس ہنس کے گزرنا
اسلام کی توقیر پہ مر مٹنے کا ارماں

آخر میں سرکار حافظ ملت کی عظمت و مقبولیت کا اظہار بہت ہی ڈرامائی انداز میں کرتے ہیں۔

ہے عالمِ ملکوت میں اک رشک کا عالم
کس پیکرِ خاکی کی فرشتوں میں ہے شہرت
اے اہلِ زمیں دے دو خبر اہل فلک کو
کہتے ہیں اسی ذات کو ہم حافظ ملت

علامہ بدر القادری نے اپنی منقبت کے ذریعہ حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت اور کارناموں کی بہت ہی شان دار منظر کشی کی ہے۔

(5) علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (موریشس) نے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے علم و فضل اور بڑائی و بلندی کا بیان کرتے ہوے اظہارِ تعزیت کیا ہے۔

حافظِ دین و ملت کو نیند آ گئی — قائد اہل سنت کو نیند آ گئی

(6) جناب فراز مبارک پوری نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں اس طرح حافظ ملت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

اہلِ دانش کی بصیرت، اہلِ دل کے سر کا تاج
آشنائے رمزِ قرآں، بزمِ ملت کا سراج
پیرہن کا ظرف جس کی چاک دامانی میں تھا
صبر و استغنا کا سورج جس کی پیشانی میں تھا
اے وقارِ قوم اے پیرِ طریقت زندہ باد
زندہ باد اے حافظ (تنظیم) ملت زندہ باد

(7) جناب راجا رشید محمود صاحب لاہور نے عقیدت کیشانہ انداز میں حافظ ملت کو خراج پیش کیا ہے۔ یہ شعر لائقِ توجہ ہے۔

حضرت احمد رضا خاں کے تلطف سے ہوئی
دشمنانِ دیں پہ شدت حافظِ ملت کی ذات

(8) جناب نعیم اعجازی مصباحی صاحب اس طرح حافظ ملت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

تری حیاتِ مقدس کے پاک صاف نقوش
بنے ہیں راہ نما اہلِ کارواں کے لیے

(9) جناب منیر دیوگامی صاحب نے اظہارِ تعزیت کی شکل میں حافظ ملت کی عظمتوں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی ترجیح بند کا یہ بند ملاحظہ کریں۔

خمِ عرفاں کے بھرے جام لنڈھائے گا کون
تشنگی قلبِ پریشاں کی بجھائے گا کون
وہ تو آتے نہیں پھر بزم میں آئے گا کون
میں منیر بھلا ان کو باغِ جناں سے لاؤں
آہ اب حافظِ ملت کو کہاں سے لاؤں

(10) پروفیسر انجم عرفانی صاحب نے اپنی منقبتیہ نظم ''صدائے غم'' کے توسط سے اپنی شعری حرکیت، بلند آہنگی، صنعت تلمیح و تلمیع اور صنعت اقتباس کے جلوے دکھاتے ہوے وصالِ حافظ ملت پر اپنے رنج و غم اور دلی کیفیت کا خوب صورت اظہار کیا ہے۔ حافظ ملت کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے کے بعد کی قوم و ملت کی سوگواری، سونے پن اور برپا خلاے عظیم کی منظر کشی کرتے ہوے حضرت حافظ ملت قدس سرہ کے مجاہدانہ کردار و عمل اور ان کی عظمت و بلندی کو بہت ہی دل نشین پیرایے میں اجاگر کیا ہے۔ نظم کا ہر ہر بند اور ان کی صدا کے حزن اور نوا کی توانائی کا غماز ہے۔ بخوفِ طوالت ہر بند کو پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔ بندوں کے گلوبند کے کچھ لڑیوں کی گہر آبی نمونۃً پیش ہیں، جن سے سرکارِ حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی قہر آورہ، عظمت و تقدیس، مجاہدانہ و مومنانہ شان اور قائدانہ کردار کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

روٹھا ہے برگِ گل کا تبسم، حنا کا رنگ
ہے بند بابِ حکمت و عرفان و علمِ دیں
وہ نغمہ قال اللہ و و قال الرسول اب
روٹھا ہے یوں کہ شہد نہ کانوں میں گھولے گا

....

اے گوشۂ حرم، ہے کہاں بوریا نشیں
ٹھوکر سے جس کی تختِ جم و کے کو تھا ہراس

....

پرچم فلک اسیر، نگہ آسماں کمند
سمت جبل شکست، عزائم ملک شکار
ظاہر میں مشتِ خاک، خمیدہ کمر، ضعیف
خارا شگاف اس کی نظر، دل فریب ذکر

....

تاریکیِ فضا میں منارہ تھا نور کا
اس عہد گم رہی میں صراط الذین صفت
اس عہد جہل میں تھا وہ الضالین حرف
وہ بندۂ خدا تھا، غلامِ رسول تھا

....

کلامِ انجم عرفانی میں حسنِ تراکیب بھی لائقِ دید ہیں اور یہ ان کے استعارہ سازی کے نادرہ کار انداز کا پتہ دیتے ہیں۔

چند متفرق اشعار کے توسط سے حافظِ ملت کی عظمتوں کا اظہار:

نقش تیرا ہر قدم پر نور کا سامان ہے
ہر خردوالا تری تحریک پر قربان ہے (اقبال اعظمی)

تیرے علم و فضل کی ممنون ہے انسانیت
اے سریر آرائے بزمِ آدمیت زندہ باد (سالک گورکھپوری)

ملتِ بیضا کے حافظ کی یہ عظمت زندہ باد
کشتۂ عشقِ پیمبر تا قیامت زندہ باد (ڈاکٹر محی الدین اظہر مرحوم)

نازشِ دہر تھے، باعثِ فخر تھے، حافظِ دین وملت خدا کی قسم
ایسے مالی پہ قربان ہے جان وتن، خون سے دین کا جس نے سینچا چمن
(علامہ اسلم بستوی رحمۃ اللہ علیہ)

حافظ ملت مجاہد خرقہ پوشوں کے امام
کشورِ علم وادب کے خسروِ عالی مقام (وصی سیتاپوری)

حافظ ملت تو آں کارِ نمایاں کردۂ
گردن مارا بریر بار احساں کردۂ
گر زمینے را بہ اوجِ آسماں بگذاشتی
گر فلک را پائے بوسِ تہ نشیناں کردۂ
(ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی)

عظمتوں کو آفتاب اور رفعتوں کا ماہتاب
فرش والو! عرش پر ہے حافظِ ملت کی بات (اختر الاعظمی مصباحی)

ویسے تو نہیں کوئی بشر نطق سے محروم
پائی تھی مگر حافظِ ملت نے زباں اور
ہم ہو گئے بیدار پکارا جو انھوں نے
یہ سچ ہے کہ ہوتی ہے مجاہد کی اذاں اور (پروفیسر اختر بستوی مرحوم)

جو مجسم فیض تھا اور پیکرِ جود و نوال
کشت زارِ علم جس سے ہو گئے صد ہا نہال (حضرت عثمان اعظمی)

اہلِ سنت کے قافلہ سالار — حامیِ دینِ احمدِ مختار
صاحبِ تاج بود و عز و وقار — ہند میں قصرِ علم کے معمار
چشمۂ علم و دانش و حکمت — روحِ اخلاص حافظ ملت
(حضرت نسیم بستوی علیہ الرحمہ)

خلاصۂ کلام: قوم وملت کے معمار و پاسبان و محافظ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شانِ رفیع میں سخن ورانِ عصر نے جو کچھ لکھا اور کہا، حق ہے، لیکن حق یہ ہے کہ ان کی عظمتوں کے اظہار کا حق پھر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

گلوبلائزیشن اور اسلام

"**بزمِ دانش**" میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر وبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

جولائی 2009ء کا عنوان — کون بنے گا اگلا وزیر اعظم؟

اگست 2009ء کا عنوان — اسلام کا اقتصادی نقطۂ نظر

گلوبلائزیشن کا مقصد اسلام کشی اور امریکی مفادات کی تکمیل ہے

دین اسلام کے بڑھتے سیلاب کو روکنا اور مسلم ممالک کو علمی، دینی، ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے اپاہج بنا کر پوری دنیا پر بلا اشتراکِ غیرے حکومت کرنا عیسائی حکمت وامریکی خارجہ پالیسی کے اہم اجزا ہیں۔ یہودی وعیسائی اہل کاروں کا واحد مقصد اسلام کشی اور اپنے مفادات کی تکمیل ہے۔ چناں چہ آج ایک طرف یہودی "سیکولرائزیشن" کے ذریعہ مسلم معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹنے میں مصروفِ عمل ہیں تو دوسری طرف دنیا کا واحد سپر پاور ملک امریکہ "گلوبلائزیشن" کی نئی اصطلاح وضع کر کے پوری مسلم دنیا کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اپنی تمام تر اخلاقی قدروں کو پامال کر چکا ہے۔ سویت یونین کے تاش کے پتوں کی طرح بکھر جانے کے بعد امریکہ ایک نئے سپر پاور ملک کی حیثیت سے عالمی نقشے پر نمودار ہوا۔ امریکی عمارت کی بقا و استحکام اور اپنی موجودہ چودھراہٹ کو دائمی شکل دینے کے لیے اس نے چار ستونوں کو خاص اہمیت دی ہے، جس میں "گلوبلائزیشن" کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

"گلوبل" کا معنی ہوتا ہے "دنیا"۔ اسی سے "گلوبلائزیشن" بمعنی "عالمگیریت" ہے۔ جس کا مفہوم دنیا کی مختلف تہذیب وروایت کو ایک سانچے میں ڈھالتے ہوئے ایک عالمی تجارتی منڈی کا قیام۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا بھر میں رائج تہذیب وثقافت، قومی مراسم اور مذہبی اصول کا گلا گھونٹ کر امریکی پارلیمنٹ سے منظور شدہ غیر فطری اخلاقی اصول کو تسلیم کیا جائے۔ ملکی پیداوار اور قومی خزانے کی کنجیاں امریکہ کے ہاتھوں میں تھما دی جائیں جو عالمی تجارتی منڈیوں کا دلال ہے۔ گلوبلائزیشن کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ اقتباس ملاحظہ کریں۔

> "گلوبلائزیشن کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جس میں آزاد تجارت، سرمایہ کی آزاد حرکت اور کثیر المقاصد بین الاقوامی کمپنیوں کے ذریعہ عالمی معیشت پر مغربی اقوام اور خصوصیت کے ساتھ امریکی تسلط کو دائمی شکل دی جائے۔" (مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص:22)

"گلوبلائزیشن" بمعنی "امریکائزیشن" امریکی سامراجیت کے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ 1991ء میں امریکی حکومت نے نیو ورلڈ آرڈر (جدید عالمی نظام) کا منصوبہ پیش کیا تھا، مگر بعد میں اس کی جگہ "گلابلائزیشن" کی اصطلاح رائج کی گئی، جس کا مقصد تیسری دنیا کو امریکی رنگ میں رنگنا ہے۔ اس نظام کے ذریعہ امریکہ بڑی سرعت کے ساتھ اپنے مفادات کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ عالمِ اسلام کو فوجی اور ایٹمی اعتبار سے کم زور کرنے کے لیے اس پر مسلسل حملے جاری ہیں۔ نیوکلیر پروگرام اور جدید اسلحہ جات رکھنے پر پابندیاں عائد کی جا رہی

ہیں۔ اسرائیل کے ہاتھوں فلسطینیوں کی نسلی تطہیر، امریکی اشارے پر ہو رہا ہے۔۔ امریکی و اسرائیلی اشتراک سے چلنے والا W.T.O. نامی ادارہ پوری دنیا کے لیے تجارتی قوانین متعین کرنے کے ساتھ مسلم ممالک پر سود کی لعنت متعین کرتا ہے۔ عالمِ عرب کے قدرتی وسائل، تیل، پٹرول اور دیگر معدنی ذخائر کی نکاسی امریکی عملی کی زیر نگرانی ہو رہی ہے۔ اب اقوام متحدہ کی قرار دادوں سے زیادہ ''امریکی نیشنل سکیورٹی کونسل'' کو اہمیت دی جاتی ہے۔ عراق، افغانستان، الجزائر، سوڈان اور صومالیہ امریکی جارحیت سے لہولہان ہو چکے ہیں۔ ایران و پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور عالمِ اسلام کی اجتماعی حیثیت کا خاتمہ امریکی ترجیحات میں سرفہرست ہے۔ گلوبلائزیشن کے نام پر امریکہ کی موجودہ ناجائز پالیسیاں، یہ عالم گیریت کے مسحور کن خواب کی عملی تکمیل نہیں تو اور کیا ہیں؟

پوری دنیا کو امریکی رنگ میں رنگنے بلفظ دیگر ''بپتسمہ'' دینے کے لیے مسیحی مبلغین عالمی پیمانے پر کام کر رہے ہیں۔ عیسائی تبلیغ و اشاعت کا دائرہ دور دراز مسلم ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ عیسائی داعیوں کا ماننا ہے کہ ''پاکستان فروغِ عیسائیت کے لیے سب سے موزوں ریاست ہے۔''

''پوری دنیا کی مختلف تہذیب و ثقافت کو ایک سانچے میں ڈھالنے کا امریکی پلان اور اس کے حصول کے طریقۂ کار کا اندازہ لگانے کے لیے ''دنیا عیسائیت کی زد میں'' نامی کتاب کا مطالعہ کریں تو آپ کو گلوبلائزیشن کی تہہ تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

مگر افسوس! کہ ان تمام صورت حال سے آگاہ ہونے کے باوجود مسلم حکمراں خوابِ عشرت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت ہوتی ہے ان سعودی حکمرانوں پر جنھیں امت مسلمہ کی قیادت اور ان کی ہمہ جہت پر پیچ مسائل کو حل کرنے کا دعویٰ ہے، مگر امریکہ کی ناجائز پالیسیوں پر بت بنے بیٹھے ہیں۔ اگر ان کے اندر اتنی بھی ہمت و جرأت نہیں ہے تو پھر یہ حضرات ملی سیادت کی قبا اتار کر پھینک کیوں نہیں دیتے؟

معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز ... از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

............از: محمد طفیل احمد، بانکا............

گلوبلائزیشن ''ویسٹرنائزیشن'' کا مکھوٹا ہے

"Globalization is the spread and exchange of people, goods & ideas across the globe."*(Globaliazation & Islam By M.Miasami, Fountain August 2003)*

''گلوبلائزیشن کرۂ ارض پر انسان، انسانی افکار و خیالات اور دیگر عناصر کے نقل و حمل اور رابطہ کا نام ہے۔''

اگر حقیقت یہی ہے تو یہ اصطلاح انتہائی معنی آفریں اور پرکشش ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے، گلوبلائزیشن کے پس پردہ دراصل ویسٹرنائزیشن (Westernization) یعنی مغربیت کی فکر کارفرما ہے۔ مذکورہ مضمون نگار M. Miasami کے مطابق:

Globaliazation, a mask of Westernization. (گلوبلائزیشن ویسٹرنائزیشن کا مکھوٹا ہے۔)

''گلوبلائزیشن ایک ایسا عمل ہے جو مختلف آلات اور ذرائع سے مسلسل فاصلوں کو ختم کر رہا ہے اور ساری دنیا کو ایک عالمی گاؤں میں تبدیل کر رہا ہے'' ــــــ یہ ایک جزوی حقیقت ہے۔ گلوبلائزیشن کی کلی حقیقت یہ ہے کہ ــــــ ''یہ ایک ایسا عمل ہے جو مختلف آلات اور ذرائع سے مذہبی جذبات، عقائد، انسانی اقدار، اخلاقیات اور نظریات و افکار کو مسلسل تباہ و برباد کر رہا ہے۔'' ہماری فکری قحط سالی کا یہ عالم ہے کہ ہم غیروں کے ذہن سے سوچتے ہیں، غیروں کی زبان بولتے ہیں، غیروں کے طور طریقے کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں اور اسی کو اپنی معراج سمجھتے ہیں۔ گلوبلائزیشن کی اندھی تقلید نے ہمارے مذہبی و سماجی شیرازے کو منتشر کر دیا ہے، جس کے سبب باہمی اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے اور خیر سگالی کے جذبات یکسر مفقود ہو چکے ہیں۔

مذکورہ بالا قول کی تائید میں اخبارات کی متعدد سرخیاں اور خود اپنے ماحول سے بہت سارے شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں، جن کا تفصیلی ذکر بخوفِ طوالت حذف کرتے ہوئے ہم موجودہ دور کے دو ایسے ذرائع کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے گلوبلائزیشن (Globalization) بلفظ دیگر ویسٹرنائزیشن (Westernization) کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، ان میں سے پہلا تو موبائل ہے اور دوسرا انٹرنیٹ۔ کہا جا سکتا ہے کہ انٹرنیٹ تو محض دو دہائی پرانا ہے اور اگلے دس سالوں میں عین ممکن ہے کہ یہ دنیا کے ہر شخص کی دسترس میں ہو۔

1830ء کی دہائی میں دنیا کی پہلی ٹیلی گراف لائن بچھی تھی۔ لندن اور بمبئی کے بیچ پہلی ٹیلی گراف لائن 1865ء میں جا کر پوری ہوئی۔ کچھ دنوں پہلے تک مغرب میں ہر شخص کو اور تیسری دنیا کے صنعتی علاقوں کے باشندوں کو ٹیلی فون کی سہولت حاصل تھی، لیکن آج دنیا کی 90 فی صد آبادی موبائل فون کے ذریعہ ایک دوسرے سے رابطے میں ہے۔

یہ رابطے کس نوعیت کے ہیں، ان کی تفصیل ماہرینِ سماجیات ہی بہتر بتا سکتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہنے میں خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ ان میں بہتری کے محدود مواقع ہیں اور خرابی کے لامحدود۔ مغربی تہذیب مذکورہ آلات نیز ٹی وی اور سنیما کے ذریعہ ہماری قوم کے جوانوں میں داخل ہو چکی ہے۔ زیادہ تر لوگ اس اندھیری منزل کے مسافر نظر آتے ہیں۔ مذہب بیزاری اور اخلاقی دیوالیہ پن دن بدن ہمارے لوگوں میں بڑھتا جا رہا ہے اور اسی کو سرمایۂ افتخار سمجھا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ مغرب کی اس سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ جس نے ڈیڑھ ہزار سال سے اہلِ ایمان اور اسلام کی تباہی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اب تک تو وہ باطل قوتیں ناکام تھیں، لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ نئے ملینیم میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہو جائیں گے اور جب آخری صلیبی جنگ ہمارے سروں پر مسلط ہوگی تو ہم خود اپنی ہی کمزوریوں کی بنا پر اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔ یہ وہ جنگ ہوگی جس میں ایک حدیث کے مطابق رومی (عیسائی) اسّی علَم لے کر حملہ کریں گے اور ان میں ہر علَم کے نیچے بارہ ہزار فوجی ہوں گے۔ اس ضمن میں یہ امر انتہائی اہمیت اور دلچسپی کا حامل ہے کہ موجودہ دور میں ایک ڈویژن آرمی 12000 فوجیوں پر مشتمل ہوتی ہے، گویا اسّی ڈویژن فوج سے حملہ ہوگا اور مسلمان خود اپنی مذہب بیزاری کے سبب شدید نقصانات سے دوچار ہوں گے۔

اس آخری صلیبی جنگ (Last Crusade) کے حوالے سے عیسائیوں کی مشہور زمانہ میگزین Trumpet میں دسمبر 1978ء میں ایک مقالہ شائع ہوا تھا، جس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

"Most People think Crusades are a thing of past over forever. But they are wrong. Preparations are being made for a final crusade and it will be the bloodiest of all." *(Trumpet, Dec. 1978, Sidney, Austrailia)*

''بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ صلیبی جنگیں ماضی کی بات ہے اور ختم ہو چکی ہیں، لیکن ان کا خیال درست نہیں۔ آخری صلیبی جنگ کے لیے تیاریاں جاری ہیں اور یہ انتہائی خونی جنگ ہوگی۔''

اور گزشتہ دنوں امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے عراق امریکہ جنگ کو Crusade سے تشبیہ دے کر مذکورہ بالا اقتباس کی تائید بھی کر دی ہے۔

بہر حال بات ہو رہی تھی گلوبلائزیشن کی تو جیسا کہ ہم نے کہا، گلوبلائزیشن صرف کرۂ ارض پر انسان، انسانی افکار و خیالات اور دیگر عناصر کے نقل و حمل کا نام نہیں بلکہ یہ نام ہے ویسٹرنائزیشن (Westernization) یعنی مغربیت کا۔ گلوبلائزیشن کے پس پردہ ویسٹرنائزیشن کی حقیقت کارفرما ہے اور بہت تیزی سے مسلمانوں کو قعرِ مذلت کی طرف دھکیل رہی ہے۔

اسلام گلوبلائزیشن یا جدیدیت کا دشمن نہیں ہے، بلکہ اسلام تو ہر اس شے کا خیر مقدم کرتا ہے جو بنی نوع انسان کے لیے مفید ہے۔ ہاں، اسلام اس مغربیت کا مخالف ضرور ہے جو عقائد میں کجی پیدا کرتی ہے اور مذہبی، سماجی اور اخلاقی قدروں کو پامال کرتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گلوبلائزیشن جو کہ ویسٹرنائزیشن ہے، اس کا سدِ باب کیسے ہو؟ یہ تو بالکل ناممکن لگتا ہے کہ ہم اس تحریک کو ختم کر سکیں، ہاں یہ عین ممکن ہے کہ اس تحریک کا جواب تحریک ہی سے دیا جائے اور مسلم معاشرے کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔ گلوبلائزیشن اپنے فروغ میں جن ذرائع کا استعمال کرتا ہے، انھیں ذرائع کا استعمال کر کے مسلمان بھی اس تحریک کا جواب دیں اور عالم گیریت یا مغربیت کے بالمقابل اسلامیات کے جوہر پیش کریں۔ اس کے لیے وسائل کی ضرورت ہے تو مخیرانِ قوم و ملت کو پیش قدمی کرنی ہوگی، اور افرادی قوت کی ضرورت ہے تو ہمارے لوگوں کو دینی و عصری ہر دو تعلیمی میدان میں آگے بڑھنا ہوگا اور صرف اسی طریقے سے ہم اس فریب کا پردہ چاک کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

............از: مہتاب پیامی، شعبۂ کمپیوٹر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور............

اشاریہ

ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۹۳ء

جلد: ۱۸/ جنوری تا دسمبر ۱۹۹۳ء

محمد قطب الدین رضا مصباحی

شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
	﴿اداریے﴾			
۱	آہ بابری مسجد	مولانا مبارک حسین مصباحی	جنوری	۳-۱۲
۲	ہندستانی مسلمانوں کے مسائل اور اُن کا حل	مولانا مبارک حسین مصباحی	فروری	۳-۶
۳	الجامعۃ الاشرفیہ کی زیر تعمیر عزیز المساجد	مولانا مبارک حسین مصباحی	مارچ	۳-۶
۴	خود کفالت کی طرف جدید عراق کی حیرت انگیز پیش قدمی	علامہ ارشد القادری	اپریل	۳-۵
۵	حکومت ہند کی دوغلی پالیسی پر ایک نظر	مولانا مبارک حسین مصباحی	مئی	۳-۴
۶	اسلام کا معیارِ عظمت	مولانا مبارک حسین مصباحی	جون	۳-۷
۷	اتفاق زندگی ہے اختلاف موت	مولانا مبارک حسین مصباحی	جولائی	۳
۸	سیرت رسول کا مطالعہ اخلاقی نقطۂ نظر سے	مولانا مبارک حسین مصباحی	اگست	۳-۷
۹	دوسرا اسپین؟ ہندستان! ایک حقیقی خطرہ	مولانا ادریس بستوی مصباحی	ستمبر	۳-۷
۱۰	اسلام میں احترامِ مذاہب کا تصور	مولانا ادریس بستوی مصباحی	اکتوبر	۳-۶
۱۱	حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی	مولانا مبارک حسین مصباحی	نومبر	۳-۹
۱۲	الجامعۃ الاشرفیہ کا ایک اور انقلاب آفریں اقدام	مولانا مبارک حسین مصباحی	دسمبر	۲
	﴿فقہیات﴾			
۱	حالتِ جبر میں دی ہوئی طلاق کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جنوری	۱۳-۱۵
۲	سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ سے تعلق خاطر/ قلمی ھذہ الخ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے یا نہیں/ سرکار اجمیر کو بلند مراتب بارگاہِ رسالت سے عطا ہوے یا سرکار بغداد سے	مفتی محمد شریف الحق امجدی	فروری	۷-۱۰
۳	مسجد میں افطار کا حکم/ چند متفرق مسائل	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مارچ	۷-۹
۴	قبرستان کا حکم/ نو مسلم مرد و عورت کا نکاح/ نو مسلم کا ختنہ/ پیدائش کے فوراً بعد کا دودھ/ سود کا حکم/ تعزیہ بنانا کیسا ہے	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۶-۸
۵	جوان بیوی کو گھر چھوڑ کر سعودیہ جانے کا حکم/ عیسائی عورت سے نکاح/ پوسٹ مارٹم کے بعد میت کو غسل دینا/ اگر لاش پلاسٹک کور میں ہو تو تیمم کافی ہوگا/ مہر کی مقدار	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مئی	۵-۶
۶	عید الاضحیٰ کے مسائل	مولانا سید محمود احمد رضوی	مئی	۸-۹
۷	قبرستان کو کھیت بنانے کا حکم/ ۲۳ نمبر انسان کا حکم/ قربانی کس کے نام سے کی جائے	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جون	۸-۹

شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
۸	راقم کان پوری کے سوالات اور ان کے مدلل جوابات	مفتی محمد اعظم بریلوی	جون	۱۶-۱۸
۹	اللہ تعالیٰ پر رحم کرنے کا عقیدہ/ کافر کو مسلمان سے اچھا کہنا/ ماں سے دودھ بخشوانا/ دانتوں مِس سونا بھروانا/	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جولائی	۴-۵
۱۰	ایک مجلس میں تین طلاقوں کی شرعی حیثیت	علامہ اختر رضا ازہری مدظلہ/ مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی	جولائی	۶
۱۱	بد مذہب کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم/ بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کا حکم/ عقیقہ میں سر مونڈنا/ عورتوں کا مزاراتِ اولیا پر جانا/ بیوی کی جگہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا تو کیا حکم ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اگست	۸-۹
۱۲	بینکوں کے منافع کا شرعی حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	ستمبر	۸-۱۰
۱۳	اقامت کے دوران امام کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اکتوبر	۷-۹
۱۴	حکومت ہند کے تعلق سے چند مسائل کا شرعی حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	نومبر	۱۰-۱۲
	﴿تحقیقات﴾			
۱	امام اعظم پر قیاس کے الزام کا تحقیقی جائزہ	مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی	مارچ	۲۲-۲۶
۲	ایک مسئلہ کا تقابلی مطالعہ	مولانا محمد قمر الحسن قادری مصباحی	اپریل	۱۳-۱۶
۳	تین طلاق کا شرعی حکم	مفتی محمد معراج القادری مصباحی	ستمبر	۱۵-۱۸
۴	مسئلۂ طلاق: قرآن اور احادیث وآثار کی روشنی میں (قسط-۱)	مولانا لیٰسین اختر مصباحی	اکتوبر	۱۰-۱۴
۵	مسئلۂ طلاق: قرآن اور احادیث وآثار کی روشنی میں (قسط-۲)	مولانا لیٰسین اختر مصباحی	نومبر	۱۳-۱۶
۶	مقالات کا تعارف اور خلاصہ	علامہ محمد احمد مصباحی	دسمبر	۲۱-۵۲
	﴿اعتقادیات﴾			
۱	وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوے تھے	مولانا الٰہی بخش لاہور	جنوری	۱۶-۱۹
۲	تبرکات کے آداب وفضائل (قسط-۱)	امام احمد رضا قادری/ ت: مولانا مبارک حسین مصباحی	جنوری	۲۰-۲۳
۳	حیات اولیا (قسط-۱)	محمد پیر نصیر احمد اویسی	جنوری	۳۳-۳۵
۴	تبرکات کے آداب وفضائل (قسط-۲)	امام احمد رضا قادری/ ت: مولانا مبارک حسین مصباحی	فروری	۱۳-۱۸
۵	رسول اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کردار صحابہ کے آئینے میں	مولانا حضور احمد منظری	مارچ	۱۰-۱۴
۶	تبرکات کے آداب وفضائل (قسط-۳)	امام احمد رضا قادری/ ت: مولانا مبارک حسین مصباحی	مارچ	۱۵-۱۷
۷	تبرکات کے آداب وفضائل (قسط-۴)	امام احمد رضا قادری/ ت: مولانا مبارک حسین مصباحی	اپریل	۹-۱۲
۸	حیات اولیا (قسط-۲)	محمد پیر نصیر احمد اویسی	اپریل	۳۷-۳۹
۹	تبرکات کے آداب وفضائل (قسط-۵)	امام احمد رضا قادری/ ت: مولانا مبارک حسین مصباحی	مئی	۱۷-۱۸
۱۰	حیات اولیا (قسط-۳)	محمد پیر نصیر احمد اویسی	مئی	۳۴-۳۵
۱۱	تبرکات کے آداب وفضائل (قسط-۶)	امام احمد رضا قادری/ ت: مولانا مبارک حسین مصباحی	جون	۱۴-۱۵
۱۲	اولیاے کرام کے تصرفات	محمد پیر نصیر احمد اویسی	جون	۴۳-۴۵
۱۳	اسلام اور وسیلہ	علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری	اگست	۱۰-۱۵
۱۴	عذابِ قبر پر چند کار آمد حوالے	مولانا سخاوت علی خاں بستوی	اکتوبر	۳۳-۳۵

۱۵ مر کر بھی کہیں ٹوٹا ہے سلسلۂ تارِ حیات — شاہ ظفر الیقین نومبر ۳۷-۳۹

……《اسلامیات》……

۱ جہاد فی سبیل اللہ — سید ریاض احمد جنوری ۲۴-۲۹
۲ شب براءت — حافظ امتیاز حسین نقش بندی فروری ۱۱-۱۲
۳ رمضان المبارک کا احترام — مولانا توقیر احمد مصباحی مارچ ۱۸-۱۹
۴ زکاۃ نہ ادا کرنا گناہِ کبیرہ ہے — مولانا محمد محبوب عزیزی مارچ ۵۱
۵ اسلام میں سلام کی اہمیت — محمد اصغر علی اپریل ۲۹-۳۱
۶ اسلام اور روحانیت — سلمان احمد حامدی مئی ۱۱-۱۶
۷ پیغمبر اسلام کا استقلال وشجاعت — مولانا صادق مصباحی جولائی ۸-۹
۸ علم دین کی ضرورت واہمیت — محمد رفیع الزماں جولائی ۲۹-۳۱
۹ ارشاداتِ غوثِ اعظم — حاجی عبدالحکیم عزیزی ستمبر ۱۲-۱۴
۱۰ حیاتِ انسانی میں علم کی اہمیت — مولانا بدر عالم مصباحی ستمبر ۲۹-۳۱
۱۱ اسلام اور صبر واستقامت — مولانا بدر عالم مصباحی اکتوبر ۲۰-۲۳

……《نظریات》……

۱ کانگریس کے دعوے، جمہوریت کے تابوت میں آخری کیل — مفتی محمد شریف الحق امجدی جنوری ۳۰-۳۲
۲ بابری مسجد کی شہادت تاریخِ ہند کا بدترین حادثہ — محمد احمد خاں عزیزی جنوری ۴۱-۴۲
۳ واقعۂ معراج نے مجھے وہابی سے سنی بنادیا — مولانا محمد جاوید اقبال فروری ۱۹-۲۰
۴ بابری مسجد کا قضیہ مذہبی شخصیات کے حوالے کیا جائے — جاری کردہ: ابرار احمد مصباحی فروری ۳۹
۵ روزہ اور مغربی مفکرین — امتیاز احمد صدیقی مارچ ۲۰-۲۱
۶ پاکستانی جرائد کے اداریوں میں جمہوریتِ ہند کی عریاں تصویر — ترتیب: مولانا مبارک حسین مصباحی مارچ ۳۲-۳۸
۷ عشرت آرا کا خواب-ایک تازیانۂ عبرت — ادارہ مارچ ۴۱-۴۲
۸ کمپیوٹر-فکر انسانی کی ایک حیرت انگیز ایجاد — محمد یحییٰ انصاری مارچ ۴۳-۴۴
۹ ثقافت اسلامی اور یورپ — مولانا محمد فروغ القادری اپریل ۲۳-۲۶
۱۰ علما بیزاری ایک لعنت — مولانا محمد الیاس اشرفی اپریل ۳۲-۳۳
۱۱ ماہ نامے، رسالے اور اخبارات میں قرآن کی بے حرمتی: ایک مختصر جائزہ — ادارہ مئی ۱۹-۲۲
۱۲ دینی مدارس کے نظامِ تعلیم پر ایک نظر — مولوی عبدالمالک رضوی مئی ۲۹-۳۳
۱۳ وضاحت — سید غلام سمنانی جولائی ۷
۱۴ ایک مجلس میں تین طلاق تین ہی شمار کی جائے گی — مسلم پرسنل لا کانفرنس کا بیان ستمبر ۳۹
۱۵ موجودہ الیکشن میں مسلمان کیا کریں — مولانا محمد عاقل نومبر ۴۲-۴۳

……《شخصیات》……

۱ مصلح اہل سنت مولانا مصلح الدین صدیقی مصباحی (قسط-۲) — مولانا بدر القادری مصباحی جنوری ۳۶-۴۰
۲ مصلح اہل سنت مولانا مصلح الدین صدیقی مصباحی (قسط-۳) — مولانا بدر القادری مصباحی فروری ۲۱-۲۵

۳ حضرت حافظ محمد تقی اعمیٰ عزیزی — مولانا مبارک حسین مصباحی فروری ۴۷
۴ مصلح اہل سنت مولانا مصلح الدین صدیقی مصباحی (قسط-۴) — مولانا بدر القادری مصباحی مارچ ۲۷-۳۱
۵ ہمارے اسلاف اور جذبۂ رواداری — مولانا عبدالمصطفیٰ ندیم مصباحی اپریل ۲۷-۲۸
۶ مفتیِ اعظم-عوام وخواص کے مرکزِ عقیدت — علامہ محمد احمد مصباحی مئی ۲۳-۲۵
۷ حضرت بدر العلما اپنے علم وعمل کی روشنی میں — مولانا محمد طیب علی رضوی مئی ۲۶-۲۸
۸ عشقِ رضا کی سرفرازی (قسط-۱) — مولانا مبارک حسین مصباحی جون ۱۹-۲۴
۹ عارف باللہ حضرت مخدوم شاہ محمد طیب فاروقی چشتی — صغیر احمد رضوی جون ۲۵-۲۹
۱۰ فیضان خواجہ — یعقوب اختر قادری جون ۴۶-۴۸
۱۱ افضل البشر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ — حسین احمد جولائی ۱۰-۱۳
۱۲ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ-ایک عظیم فیصل — عبدالحبیب قادری جولائی ۱۴-۱۵
۱۳ حضرت امام اعظم کے فضائل ومناقب (قسط-۱) — محمود ریاض قادری جولائی ۱۶-۱۹
۱۴ عشقِ رضا کی سرفرازی (قسط-۲) — مولانا مبارک حسین مصباحی جولائی ۲۳-۲۸
۱۵ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ-پیکرِ حق وصداقت — شفیق احمد اگست ۱۶-۱۹
۱۶ حضرت امام اعظم کے فضائل ومناقب (قسط-۲) — محمود ریاض قادری اگست ۲۰-۲۳
۱۷ عشقِ رضا کی سرفرازی (قسط-۳) — مولانا مبارک حسین مصباحی اگست ۲۸-۳۲
۱۸ حضرت مفتی محمد محبوب اشرفی مصباحی — محمد نجم الدین قادری اگست ۳۳-۳۷
۱۹ صدر الافاضل دربارِ امام احمد رضا میں — مولانا مبارک حسین مصباحی اکتوبر ۲۴-۲۷
۲۰ امام احمد رضا دربارِ رسالت میں — مولانا محمد علی فاروقی نومبر ۲۸-۳۱

……《تاریخیات》……

۱ دلچسپ حکایتیں — مولانا محمد محبوب عزیزی فروری ۴۰-۴۱
۲ کیا آپ کو معلوم ہے؟ — نور محمد واجدی فروری ۴۵
۳ فاروق اعظم کا بیٹا اور فاروق اعظم کا انصاف — ایم سعید خاں مارچ ۳۹-۴۰
۴ برکاتِ ایمان (چند ایمان افروز واقعات) — مولانا سید اکبر حسین آرزو اپریل ۳۴-۳۶
۵ دنیوی دربار کا ایک واقعہ — ادارہ اپریل ۴۰-۴۱
۶ یمن کے ایک ظالم بادشاہ کی سنسنی خیز کہانی — مولانا امام اختر مصباحی مئی ۳۶-۳۷
۷ محرم الحرام-تاریخ عالم کے اہم اور عظیم واقعات کا مہینہ — مولانا محمد یونس نظامی جون ۱۱-۱۳
۸ امریکی مسلمانوں کی دینی وثقافتی حالت (قسط-۱) — مولانا قمر الحسن قمر مصباحی جون ۳۹-۴۱
۹ امریکی مسلمانوں کی دینی وثقافتی حالت (قسط-۲) — مولانا قمر الحسن قمر مصباحی جولائی ۳۲-۳۶
۱۰ حسن باطن (اہلِ دل کے چند واقعات) — مولانا سید اکبر حسین آرزو جولائی ۳۷-۳۹
۱۱ ایک خاتون اسلام میدانِ جہاد میں — محسن علی اگست ۳۸-۴۰
۱۲ حضرت خالد بن ولید کا قبولِ اسلام — ادارہ ستمبر ۳۲-۳۴
۱۳ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کو ”نوجوان محقق ایوارڈ“ — مولانا مبارک حسین مصباحی اکتوبر ۳۶

۱۴	جامعہ حضرت نظام الدین اولیا	محمد حنیف انصاری	اکتوبر	۳۷
	چار روزہ فقہی سمینار کی تفصیلات	علامہ محمد احمد مصباحی	دسمبر	۱۲-۳

﴿ادبیات﴾

۱	امریکہ سفر اور مشاہدہ	مولانا محمد قمرالحسن قمر مصباحی	فروری	۱۳-۳۶
۲	عاشق رضا بارگاہِ رضا میں (پروفیسر مسعود احمد کی آمد پر پیش کردہ ہدیۂ امتنان وتشکر)	مولانا محمد حنیف خاں نوری	فروری	۳۴-۳۲
۳	فلسفۂ اجتماع کا تنقیدی جائزہ	مولانا سید نور محمد قادری	اپریل	۲۲-۱۷
۴	کربلائے معلیٰ	حنیف ازہر	جون	۳۸-۳۷
۵	صنعت مجوب کے مسائل اور شاہ رضا بریلوی کی شعری عظمت	ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی	جولائی	۲۲-۲۰
۶	''واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر'' کا تنقیدی جائزہ (قسط-۱)	مولانا یٰسین اختر مصباحی	ستمبر	۲۴-۱۹
۷	جریدۂ ''فکر و آگہی'' کا بیکل اتساہی نمبر-ایک اقتباسی جائزہ	مولانا اسلم بستوی مصباحی	ستمبر	۳۸-۳۵
۸	''واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر'' کا تنقیدی جائزہ (قسط-۲)	مولانا یٰسین اختر مصباحی	اکتوبر	۳۲-۲۸
۹	مشربی تعصب کی بوقلمونی	ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی	نومبر	۲۶-۱۷
۱۰	مبلغِ اسلام محمد ابراہیم خوشتر صدیقی کا دورۂ اسپین پر ایک تاریخی نظم ''پیمانۂ قرطبہ	مولانا محمد فروغ القادری	نومبر	۳۶-۳۲
۱۱	خطبۂ استقبالیہ چار روزہ فقہی سمینار ۱۹۹۳ء	مفتی محمد شریف الحق امجدی	دسمبر	۱۶-۱۳
۱۲	عرض مدعا چار روزہ فقہی سمینار ۱۹۹۳ء	حضرت عزیز ملت مدظلہ	دسمبر	۲۰-۱۷

﴿نقد و نظر﴾

۱	لفظ کملی کا شرعی و ادبی جائزہ (تصنیف مولانا ظفر ادیبی)	علامہ محمد احمد مصباحی	فروری	۴۴-۴۲
۲	انوارِ خیال (تصنیف: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی)	صاحب زادہ وجاہت رسول قادری	مارچ	۴۶-۴۵
۳	دعوتِ فکر (ترتیب: نذیر احمد)	مولانا مبارک حسین مصباحی	مئی	۳۹-۳۸
۴	کتاب ''لفظ کملی پر مولانا اختر رضا خاں صاحب کے شبہات کے ازالہ'' پر ایک اجمالی نظر	علامہ محمد احمد مصباحی	جون	۳۶-۳۰
۵	عظیم ملت (تالیف: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی)	مولانا مبارک حسین مصباحی	جون	۵۱-۴۹
۶	مذہب اسلام (تصنیف حضرت مفتی اجمل شاہ صاحب علیہ الرحمہ)	مولانا مبارک حسین مصباحی	جولائی	۴۱-۴۰
۷	فوٹو کا جواز در حق عازمانِ حجاز (تصنیف حضرت مفتی اجمل شاہ علیہ الرحمہ)	مولانا مبارک حسین مصباحی	جولائی	۴۲-۴۱
۸	مولانا حشمت علی لکھنوی (تالیف: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی)	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	اگست	۴۳-۴۱
۹	تذکرہ مولانا عبدالرؤف بلیاوی (تصنیف: مولانا قمرالحسن بستوی مصباحی/ اضافہ: علامہ محمد احمد مصباحی)	مولانا مبارک حسین مصباحی	نومبر	۴۸-۴۶

﴿منظومات﴾

۱	نعتیں	حضرت واصف عزیزی/ حافظ محمد عمر مبارک پوری	جنوری	۱۵/۲
۲	ہر قلبِ مسلماں میں جذبات کا طوفاں ہے/ بابری مسجد	وسیم مبارک پوری/ انور شعور	فروری	۲
۳	پیامِ رحمت/ نعت پاک/ عید مبارک ہو	قمر یزدانی/ راشد صدیقی	مارچ	۴۰/۳۱/۲
۴	منقبت در شان حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ/ نعت پاک	بدر عالم اشرفی/ ڈاکٹر شکیل اعظمی	اپریل	۱۲/۲
۵	نعت پاک/ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ کے فراق پر	حافظ محمد عمر مبارک پوری/ سید اولاد رسول قدسی مصباحی	مئی	۴۰/۲

۶	نعت سرورِ کائنات/ شہدائے کربلا کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت/ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ سے فراق پر فغانِ دردِ دل	محمد تقی امّی/ زماں امجدی/ اصغر اختر مصباحی	جون	۴۲/۱۰/۲
۷	یکدم با خدا/ نعت پاک	مولانا بدر القادری/ ڈاکٹر شکیل اعظمی	جولائی	۱۳/۲
۸	جلوسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر/ گلہائے عقیدت	عاصم گونڈوی	اگست	۳۷/۲
۹	ذاتِ رسولِ پاک بڑی بے مثال ہے/ جمالِ مہر تابانِ رضا ہیں مفتی اعظم/ منقبت بحضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ/ نذرانۂ عقیدت بحضور سید مقبول احمد کشمیری	سید اولاد رسول قدسی مصباحی/ حضرت واصف عزیزی/ جمیل اختر/ مظہر چشتی	ستمبر	۴۱/۳۸/۱۱
۱۰	نعتیں	ڈاکٹر شکیل اعظمی/ راشد ندیم	اکتوبر	۲۷/۹
۱۱	ترانۂ الجامعۃ الاشرفیہ/ حافظ ملت کردار کے آئینے میں/ نذرانۂ عقیدت در شان حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی/ زماں امجدی/ حضرت واصف عزیزی	نومبر	۴۵/۴۱/۲۷

﴿مکتوبات﴾

۱	علامہ ارشد القادری/ عبد الستار رضوی، نینی تال/ غلام یحییٰ انجم مصباحی، دہلی/ بدر القادری، ہالینڈ/ محمد طیب علی رضوی، جمشید پور/ عبد المصطفیٰ ندیم، مہراج گنج/ صادق القادری، ہالینڈ	فروری	۳۶-۳۵/ ۴۹-۴۸
۲	بدر القادری، ہالینڈ/ بیکل اتساہی، دہلی/ کامل عزیزی، احمد آباد/ اقبال احمد فاروقی، لاہور/ یعقوب اختر قادری، اورنگ آباد	مئی	۴۳-۴۱
۳	محمد حسین خاں، فیض آباد	ستمبر	۴۲
۴	محمد قمرالحسن قمر مصباحی، امریکہ/ نصیر احمد سراجی، بنارس/ محمد اعجاز انجم لطیفی، بریلی شریف/ رضوان اللہ قادری، مہراج گنج/ اختر حسین فیضی مصباحی اعظم گڑھ	نومبر	۵۰-۴۹

﴿سرگرمیاں﴾ (روداد چمن)

۱	جامعہ اشرفیہ میں مجلسِ شرعی کا قیام/ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں عرس حافظِ ملت اور دستارِ فضیلت کی ضیا باریاں	جنوری	۴۵/۴۲

عالمی خبریں .... **فروری تا اگست ۱۹۹۳ء**

خیر و خبر .... **جنوری تا نومبر ۱۹۹۳ء**

﴿وفیات﴾

۱	آہ شاعرِ اسلام قاری سراج احمد نوری	فروری	۳۱
۲	حضرت مولانا محبوب احمد مصباحی مبارک پوری کی رحلت	اپریل	۳۶
۳	حضرت بحر العلوم مدظلہ کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد احمد مصباحی کا وصال پر ملال	جون	۱۳
۴	الجامعۃ الاشرفیہ کے سچے جاں نثار جناب بی کے رحمان کا انتقال	جولائی	۹
۵	مولانا عبد القادر کھتری چل بسے/ استاذ الحفاظ حافظ عبد الحفیظ بنارسی/ مفتی شفیق احمد شریفی کے والد گرامی	اکتوبر	۴۴/۴۱/۳۸
۶	حضرت مولانا عبد الرسول باقر علی خاں کا انتقال	نومبر	۴۰

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

نام کتاب : **دعوت نمبر** (سہ ماہی سنی دعوت اسلامی)
ایڈیٹر : محمد زبیر مصباحی
معاون ایڈیٹر: مظہر حسین علیمی
شمارہ : جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء
صفحات :436 قیمت :100 روپے
ناشر :سہ ماہی سنی دعوت اسلامی، سید عاشق شاہ بخاری
مسجد، فرسٹ فلور، ۱۲۸/ شیدا مارگ
چارنل ڈونگری، ممبئی ۴۰۰۰۰۹
مبصر :نیاز احمد مصباحی

تنقید نگار کو کچھ لوگوں نے باغباں سے تشبیہ دی ہے اور کچھ نے مکھی سے۔ تبصرہ نگار بھی تنقید نگار ہی ہوتا ہے، مگر کچھ کہہ نہیں سکتا کہ ''دعوت نمبر'' پر میرے اس تبصرے کو قارئین باغباں کا عمل سمجھیں گے یا مکھی کی حرکت شمار کریں گے، البتہ اتنا ضرور دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہر دو گروہ کے لیے اس میں کچھ چونکا دینے والے حقائق ہوں گے۔

''دعوت نمبر'' سنی دعوت اسلامی کے ترجمان ''سہ ماہی سنی دعوت اسلامی'' کا خصوصی شمارہ ہے۔ یہ نمبر سال 2009ء کے آغاز پر قارئین کے لیے حسین تحفہ ہے۔ سہ ماہی سنی دعوت اسلامی نے سال نو کا آغاز نئے جوش و جذبے کے ساتھ کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ یہ نمبر سہ ماہی سنی دعوت اسلامی کو نئی شناخت عطا کرے گا۔ اس نمبر کی اشاعت سے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ارباب سنی دعوت اسلامی کے اخلاص، جتن اور سنجیدگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''دعوت نمبر'' اپنے موضوع، خاکہ اور مشمولات کے اعتبار سے ''خاص'' ہے۔ اس خصوصیت کی وجہ ہم اگلی سطروں کے ضمن میں ذکر کریں گے۔

دعوت و تبلیغ کے موضوع پر نمبر شائع کرنے کا خیال ادارۂ سہ ماہی سنی دعوت اسلامی کو کیسے آیا، اس کے متعلق معاون مدیر مولانا مظہر حسین علیمی ''پیش گفتار'' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''عرس رضوی کا پر بہار موسم تھا۔ عاشقان رضا امام احمد رضا کی گلیوں کا طواف کر رہے تھے۔ عزیزی محمد سلمان رضا قادری کی ملاقات حضرت ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی سے ہوئی۔ تذکرہ ہوا ''سہ ماہی سنی دعوت اسلامی'' کا تو عزیزی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ کوئی نمبر نکالیے۔ آپ نے عنوان بھی بتایا۔ عزیزی سلمان رضا قادری نے اس کا مجھ سے ذکر کیا۔ میں نے کہا عزیزی صاحب کا مشورہ لائق عمل ہے، مگر شخصیات اسلام پر ماضی قریب میں بہت سے نمبرات شائع ہو چکے ہیں۔ کوئی ایسا نمبر نکالا جائے جس پر کام نہ ہوا ہو۔ خیال آیا کہ سہ ماہی سنی دعوت اسلامی ایک دعوتی تحریک کا آرگن ہے، کیوں نہ دعوت نمبر ہی نکال دیا جائے۔''

علیمی صاحب کا مطلب صاف ہے۔ وہ قارئین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کی ٹیم نے ایک منفرد موضوع پر انوکھا کارنامہ انجام دیا ہے۔ جب کہ ''بہار ادب'' الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے سال 2004ء میں ہی اس موضوع پر عظیم پیش رفت کرتے ہوئے ''دینی دعوت - اصول، تقاضے اور داعیوں کی زندگی'' کے نام سے طلبۂ درجۂ فضیلت کے مقالات پر مشتمل اہم تالیف پیش کی تھی۔ ہو سکتا ہے علیمی صاحب کو اس کا علم نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تجاہل سے کام لے رہے ہوں، لیکن قارئین کے ذہن و دماغ پر ''دینی دعوت'' آج بھی چھائی ہوئی ہے۔ ایسا میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ اس وقت میں درجۂ فضیلت کا طالب علم تھا یا ''بہار ادب'' کا سرگرم رکن تھا، بلکہ اس لیے کہ یہ دعوت نمبر بھی اس کا برملا اظہار کر رہا ہے۔

''پیش گفتار'' میں علیمی صاحب لکھتے ہیں کہ جب بات دعوت نمبر شائع کرنے پر ٹھہری تو انہوں نے اپنے دیرینہ رفقاء سے نمبر کا خاکہ تیار کرنے کی درخواست کی۔ ''ان احباب نے صرف دو تین روز میں خاکے تیار کر کے ارسال کر دیے، جسے معمولی ترمیم کے ساتھ بطور اعلان شائع کر دیا گیا۔''

ترمیم سے پہلے وہ خاکہ کیسا تھا یہ تو علیمی صاحب اور ان کے احباب کو ہی پتہ ہوگا، لیکن ترمیم کے بعد جو خاکہ ہے، اگر اس کے متعلق میں یہ کہوں کہ ایسا خاکہ میں بمشکل تمام دس منٹ میں تیار کر سکتا ہوں تو قارئین کو لگے گا کہ میں ''چھوڑ رہا ہوں'' اور پھر علیمی صاحب کے احباب کو بھی اچھا نہیں لگے گا۔ لیکن قارئین خود ہی اگر ''دینی دعوت'' اور ''دعوت

نمبر'' کا فہرست کے معاملے میں موازنہ کریں تو دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں پائیں گے۔ ''دینی دعوت'' کا پہلا باب ''تفہیم دعوت'' اور دوسرا باب ''اسلوب دعوت'' کے نام سے ہے۔ دعوت نمبر میں اسی کا نام ''تفہیم دعوت و تبلیغ'' اور ''اسلوب دعوت و تبلیغ'' ہے۔ تیسرے باب کا عنوان ''داعیان اسلام'' ہے۔ یہ صوفیہ، مشائخ اور خواتین اسلام کی دعوتی خدمات پر مشتمل ہے۔ ''دعوت نمبر'' میں اس کو تین ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے: 1- دعوت و تبلیغ میں صوفیا و مشائخ کا کردار 2- دعوت و تبلیغ میں علماء کا کردار 3- دعوت و تبلیغ میں خواتین کا کردار۔ دینی دعوت کے چوتھے اور پانچویں باب کا عنوان ہے ''دعوت و تبلیغ کے عصری تقاضے'' اور ''دعوت دین میں اسلامی مدارس کی خدمات''۔ دعوت نمبر میں ان دونوں میں یوں ترمیم کی گئی ہے ''دور جدید میں دعوت و تبلیغ کے امکانات اور اس کے تقاضے'' اور ''تحریک سنی دعوت اسلامی اور اس کے دعوتی نقوش''۔

اتنا ہی نہیں، دونوں کے موضوعات بھی ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ البتہ دعوت نمبر میں ''اسلام کا تعارف''، ''رو برو'' اور ''متفرقات'' کے عنوان سے مزید تین ابواب ہیں۔ اس قدر یکسانیت پر بھی میں علیمی صاحب اور ان کے رفقاء کے تئیں سوئے ظن نہیں رکھتا، لیکن یہ یکسانیت محض اتفاق بھی نہیں ہو سکتی۔

''دعوت نمبر'' کی خصوصیت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ورق گردانی کیجئے۔ صفحہ 226 پر ''علامہ عبد العلیم میرٹھی اور ان کی بین الاقوامی دعوتی خدمات'' کے عنوان سے جامع مسجد غوری پور، گریفہ، مغربی بنگال سے وابستہ کسی مولانا غلام معین الدین قادری کا مضمون ملے گا۔ یہ مضمون دینی دعوت میں شائع ہو چکا ہے اور حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ دینی دعوت میں مضمون نگار مولانا غلام معین الدین قادری نہیں، بلکہ مولانا محمد ساجد علی مصباحی ناگوری ہیں۔ افسوس ہے کہ مولانا نے اپنے منصب، لیاقت اور نسبت کسی کا خیال نہیں رکھا۔

اسی طرح محمد ہاشم اعظمی مصباحی اور محمد فضل الرحمٰن برکاتی صاحبان کے مضامین کی بہت سی عبارتیں ''دینی دعوت'' کے بعض مضامین کی بہت سی عبارتوں سے ٹکراتی ہیں، لیکن وجہ یہاں غالباً یہ ہے کہ ان قلم کاروں نے ایک ہی چشمے سے استفاضہ کیا ہے اور کئی جگہوں پر مرجع تک ذکر نہیں کیا ہے۔

صفحہ 336 سے ''دعوت دین اور ائمہ مساجد'' کے عنوان سے مولانا مجاہد حسین حبیبی صاحب کی تحریر شروع ہوتی ہے۔ اس تحریر کے اخیر میں انہوں نے دعوت دین اور ائمہ مساجد سے متعلق ۱۱ر تجاویز پیش کی ہیں۔ تجاویز عمدہ ہیں، لیکن ان میں سے ۱۰ر تجاویز کو محب گرامی مولانا عارف اقبال مصباحی ''دینی دعوت'' میں ''دعوت دین اور ائمہ مساجد'' کے عنوان سے ہی اپنے مضمون میں ۱۴ر تجاویز کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن حبیبی صاحب سے حسن ظن کی بنیاد پر ہم اسے توارد فکری پر محمول کر سکتے ہیں اور اس پہلو پر بھی محمول کر سکتے ہیں جس کی جانب غالب نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

مبر گمان توارد بہ شعر من کہ دزد
متاع من ز نہاں خانۂ ازل بردہ است

علیمی صاحب ''پیش گفتار'' میں اپنے رفقائے کار کا اس انداز میں تذکرہ کرتے ہیں کہ ''دعوت نمبر کی ترتیب و تزئین، تہذیب و تصحیح میں محترم محمد زبیر قادری (مدیر افکار رضا ممبئی) مولانا محمد توفیق برکاتی مصباحی، مولانا صادق رضا مصباحی پیلی بھیتی (مقیم حال ممبئی) نے قدم قدم پر ساتھ دیا۔ تصحیح کا مکمل کام مذکورہ تینوں حضرات نے ہی انجام دیا۔''

تصحیح کا کام واقعی دشوار گزار ہوتا ہے، خاص کر جب وقت کی قلت اور مصروفیات کی کثرت ہو، لیکن یہ غلطیوں کے لیے قطعاً کوئی جواز فراہم نہیں کرتی۔ افسوس ہے کہ دعوت نمبر میں تصحیح کے کام پر ''تغلیط'' کا گمان گزرتا ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث کریمہ جو کہ بیشتر مضامین میں بکثرت موجود ہیں، ان کا بھی پچاس فیصد حصہ بھی غلطیوں سے خالی نہیں۔ یہ بات ان حضرات کے شایان شان نہیں۔

اب تک ہم نے دعوت نمبر کے ''خاص'' ہونے کی توجیہ کی۔ اب کچھ دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہیں۔ مدیر گرامی محمد زبیر مصباحی کا اداریہ ''ہماری دعوت غیر موثر کیوں؟'' مجھے متاثر نہیں کر سکا۔ اوّلاً تو اس لیے کہ ''دعوت'' ہی ہمارے یہاں خال خال ہے، اور ثانیاً اس لیے کہ اصل موضوع پر مربوط گفتگو نہیں کی گئی ہے۔ باب اول ''اسلام کا تعارف'' میں محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین صاحب کے دونوں مضامین ''دین حق کی بے بہا تعلیمات'' اور ''دین اسلام اور حقوق انسانی کا احترام'' عمدہ اور سادے پیرائے میں بیش قیمت مواد پر مشتمل ہیں۔ البتہ ان کی یہ عبارت نہ ہی نفس الامر کے مطابق ہے اور نہ ہی عقل اسے گوارا کر سکتی ہے کہ ''پوری دنیا میں تقریباً چالیس

ملین لوگ ایچ آئی وی اور ایڈس وائرس کا شکار ہیں اور ہر سال چھہتر ملین لوگ ایڈس کی بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

پہلے باب میں دو اور مضامین ہیں اور قابل مطالعہ ہیں۔ باب دوم "تفہیم دعوت و تبلیغ" میں پانچ مقالات ہیں۔ اس میں مولانا نعمان احمد ازہری کا مقالہ "اسلام کا دعوتی نظام" دعوت نمبر سے پہلے بھی کئی بار ہم پڑھ چکے ہیں اور جام نور میں اس پر میرا تبصرہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی نے "دعوت و تبلیغ کا قرآنی مفہوم" علم نفسیات کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس میں "نسل آدم... بود و باش اختیار کرتا چلا گیا اور... ایک ترقی یافتہ سماج کی تشکیل میں مصروف ہو گیا"، "اب دیکھنا یہ ہے کہ سب سے آخری نبی اور سب سے آخری کتاب اپنی بعثت و نزول کو سابقہ کتب آسمانی کی موجودگی میں اپنی ضرورت و افادیت کو کس طرح حق بجانب ثابت کرتے ہیں"، "گاؤں کے گاؤں، قصبات کے قصبات اور شہر کے شہر عقیدہ اہل سنت سے منحرف ہو کر باطل عقیدے والوں کے ساتھ موحد و پکا نمازی بن گیا ہے" جیسی بہت سی ترکیبوں کی نفسیات ہم نہیں سمجھ سکے۔

باب سوم "اسلوب دعوت و تبلیغ" دس مقالات پر مشتمل ہے۔ ان مقالات کے مواد میں باہم بہت زیادہ تکرار ہے، کیوں کہ موضوعات میں بہت معمولی فرق ہے۔ اس باب میں مولانا افتخار احمد مصباحی صاحب نے داعی اسلام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور اسسٹنٹ بتایا ہے۔ گو کہ ایک دوسرے کی جگہ یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ رسول اکرم کی شان میں "اسسٹنٹ" کا لفظ مناسب نہیں۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے امام احمد رضا کے اسالیب دعوت پر اپنی فکر اور معلومات کو تحریری شکل دی ہے، لیکن اس میں "بلاغ" کی جو توضیح انہوں نے کی ہے وہ ماخذ اور مصداق کے لحاظ سے اس قدر نادر ہے کہ قرآنی فرامین سے بھی میل نہیں کھاتی۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون اور اسلوب تحریر ان کی عمر کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والا ہے۔

باب چہارم "دعوت و تبلیغ میں صوفیا و مشائخ کا کردار"، باب پنجم "دعوت و تبلیغ میں علماء کا کردار" اور باب ششم "دعوت و تبلیغ میں خواتین کا کردار" کے مشمولات کے مطالعہ سے روح کو تازگی، ایمان کو حرارت، جذبات کو پختگی اور حوصلوں کو بلندی ملتی ہے۔ باب چہارم میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے مقالے میں وہ بات نہیں جس کے لئے ہم انہیں جانتے ہیں۔ باب ششم کی خاص بات یہ ہے کہ پانچ مضمون نگاروں میں سے تین خواتین ہیں۔

باب ہفتم "دور جدید میں دعوت و تبلیغ کے امکانات اور اس کے تقاضے" کی دسوں تحریریں موضوع اور مواد کے لحاظ سے اہم ہیں۔ حضرت نعمانی صاحب قبلہ کی تحریر "دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور علما کی ذمہ داریاں" واقعۃً علماء کو ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہیں اور انکے رویوں پر چوٹ بھی کرتی ہے۔ جن پہلوؤں کی نشاندہی انہوں نے کی ہے ان کی اصلاح دعوتی امور کے لئے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ یوں ہی مولانا مجیب الرحمٰن علیمی کی تحریر دعوت و تبلیغ کے اہم میدانوں کی جانب ہماری توجہ مبذول کرتی ہے۔

باب ہشتم "روبرو" میں مولانا کوکب نورانی اور مولانا افتخار احمد مصباحی صاحبان کا تحریری انٹرویو شامل ہے۔ یہ انٹرویو بھی دعوتی امور سے متعلق ہے اور مطالعہ کے لائق ہے۔

باب نہم "متفرقات" میں نو مقالات ہیں۔ غلام نبی علیمی صاحب کا مقالہ "داعیانہ اوصاف اور اس کے مثبت اثرات" ضرورت سے زیادہ طویل ہے۔ اس میں کافی تکرار ہے اور دوسرے مقالہ نگاروں نے بھی اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ علیمی صاحب بہ تکلف نئی ترکیبیں لاتے ہیں اور جگہ جگہ ٹھوکریں کھا جاتے ہیں۔ ان کا المیہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ ظرفی، ظریف، ظرافت اور ظریفانہ سب ان کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ مولانا صادق رضا مصباحی نے اپنے زخمی احساسات قلم بند کیے ہیں۔ وہ اچھا لکھتے ہیں مگر ندرت تراکیب کی کوشش میں بارہا ان سے لغزش سرزد ہو جاتی ہے۔

باب دہم "تحریک سنی دعوت اسلامی اور اس کے دعوتی نقوش" کے لیے خاص کیا گیا ہے لیکن بوجہ مجبوری اس میں دوسرے دو مضامین بھی ہیں جن کو تیسرے باب میں ہونا چاہیے تھا۔

اس طرح یہ دعوت نمبر تقریباً 70 مضامین پر مشتمل ہے۔ مظہر حسین علیمی صاحب اور ان کے رفقا نے بہت جتن کر کے انہیں حاصل کیا اور ترتیب دیا ہے۔ بلاشبہ دعوت و تبلیغ کے موضوع پر بہت مواد اکٹھا ہو گیا ہے۔ اس عمل میں انہیں کئی بار مایوسی بھی ہاتھ لگی ہے جس کا تذکرہ علیمی صاحب نے اس طرح کیا ہے:

"جن حضرات سے بھی رابطہ کیا انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ ہم مضمون بھیجیں گے،

(باقی ص:53 پر)

منظومات

نعت سب سے مختلف

تیرا ہر اک دن، تری ہر رات سب سے مختلف
تیری گلیوں کی مدینہ! بات سب سے مختلف
دن میں ہر لحہ برستا نور کے ساون کی دھوپ
رحمتوں کی رات بھر برسات سب سے مختلف
تیرے کوچے کی عطائے خاص وہ سب سے الگ
تیرے دیوانوں کی وہ بارات سب سے مختلف
خلد سے آکر بہاریں کرتی ہیں جس کا طواف
گلشنِ طیبہ کے ہیں باغات سب سے مختلف
جس کی پاکیزہ فضاؤں میں سکوں پاتا ہے دل
اے مدینہ، ہیں تیرے برکات سب سے مختلف
ہے فضا روشن، سماں دل کش، ہوائیں مشک بار
مصطفیٰ کے شہر کی ہر بات سب سے مختلف
جس نے لوٹا ہے مرے سرکار کے قدموں کا فیض
"کیوں نہ ہوں اس خاک کے ذرات سب سے مختلف"
اس لیے در پر ترے ہوتی ہے دیوانوں کی بھیڑ
ملتی ہے سب کو وہاں سوغات سب سے مختلف
جب مرے آقا وصی در پہ بلائیں گے مجھے
میں پڑھوں گا ان کے در پہ نعت سب سے مختلف

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، نیپال

بیادگار حضور حافظ ملت

آیا ہوں ترے در پہ لیے نذرِ عقیدت
اے حافظِ ملت مرے، اے حافظِ ملت
سائل کو جو محروم نہیں کرتے ہیں در سے
وہ کنزِ عنایت ہیں مرے حافظِ ملت
تقویٰ میں طہارت میں وہ تصویرِ رضا ہیں
ہیں صدر شریعت کی ادا حافظ ملت
عشقِ شہِ بطحا رخِ انور سے عیاں تھی
گلزارِ رسالت کے تھے گل حافظ ملت
اللہ کے محبوب کے محبوب ہو آقا
ہو نظر کرم، نظر کرم حافظ ملت
تھی صبح و مسا ذکرِ الٰہی سے زباں تر
تھے صبر کے پیکر بخدا حافظِ ملت
صحرا کو شہا تو نے ہی گلزار بنایا
تھی ذات تری منبع اخلاص و مروت
بگڑی مری بن جائے کرے تو جو اشارہ
ہے تیری دعاؤں میں اثر حافظ ملت
اشرفیہ میں روز افزوں نکھار آتا رہے گا
ہے جامعہ میں حافظ ملت کی کرامت
تم آس وصال ان سے لگائے ہوئے رکھنا
چمکائیں گے قسمت بھی تری حافظ ملت

وصال احمد اعظمی مصباحی، سلطان پور

بیادِ شکیل

کیا ہوئے رخصت جہاں سے آپ مولانا شکیل
کیا خبر تھی اس طرح معدوم تم ہو جاؤ گے
آپ کی چھوٹی سی ہمشیرہ مسلسل رات دن
والدہ، والد، عزیز و اقربا ہیں مضمحل
بار آور ہو تمنائے دلِ مجروح بھی

مثل دریا موج زن ہے اپنے دل میں غم کی جھیل
زلزلے سے جس طرح نابود ہو جائے فصیل
دیکھتی ہے آپ کے گھر لوٹ آنے کی سبیل
اور روتا ہے مسلسل آپ کا بھائی وکیل
کر عطا مرحوم کو فردوس اے ربِّ جلیل

حافظ معین الدین مجروح مبارک پوری

صداے بازگشت

یہ کالم ایک "صلاے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

دلالوں کی منڈی میں اتنی سچی بات؟

مدیر محترم سلام مسنون

"ہندستان میں دہشت گردی کا ذمہ دار کون" فروری 2009ء کا اداریہ دیکھا۔ رسالہ ہاتھوں میں آتے ہی پہلی فرصت میں پڑھتا چلا گیا۔ میری نظریں اداریہ کا طواف کرتی رہیں اور دل تشکر و امتنان کے جذبے سے لبریز ہوتا چلا گیا۔ جذبات کا ایک بے کراں سمندر موجیں مارنے لگا۔ جوشِ جنوں کا بحرِ ذخار بے قابو ہو کر آنکھوں کی پلکوں سے چھلک پڑا۔ کیا دلالوں کی اس منڈی میں اتنی سچی بات کہنے کی صلاحیت کسی اور فرقے میں موجود ہے؟

الحمد للہ کہ ہمارے علماے حق آج بھی حق کہنے، حق بولنے اور حق لکھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کسی نے اسی موقع کے لیے کہا تھا۔

تلوار میرے سر پہ لٹکتی ہے اس لیے
میں نے کسی امیر کو سجدہ نہیں کیا

خدا گواہ ہے کہ آپ کے اس بے باک اور حوصلہ مندانہ اقدام نے ہی سچ بولنے کا حوصلہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کو عمر خضر عطا فرمائے۔

محترم! ہماری قوم کی مظلومیت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی رہبرانِ قوم کی بے حسی کی داستان۔ آج قومِ مسلم دُہرے زخم جھیل رہی ہے۔ ایک طرف تو فرقہ پرست ہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے پر آمادہ ہیں اور نت نئے ہتکنڈے استعمال کر کے ہمیں اذیتوں کی زندگی جینے پر مجبور کرتے ہیں تو دوسری طرف ہمارے وہ نا اہل قائدین ہیں جنھوں نے ووٹوں کی سیاست کر کے قومِ مسلم کو بکاؤ مال کی طرح دلالوں کی منڈی میں نیلام کر کے رکھ دیا ہے۔ آج ملک میں ہر قوم کے مسائل پر آواز اٹھتی ہے کیوں کہ ان کے رہ نما ان کے لیے مخلص ہیں، لیکن ہمارے وہ مسلم رہ نما جو ہماری لاشوں اور بہتے ہوئے خون کے دھاروں کو عبور کر کے پارلیمنٹ تک جاتے ہیں، لیکن وہاں پہنچ کر ان کے ذہن سے سارے مسائل اور قوم سے کیے ہوئے وعدے محو ہو جاتے ہیں یا وہ مصلحت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک ہی کہا تھا چرن سنگھ بشر نے کہ ہندستان میں مسلم قوم کی بد نصیبی رہی ہے کہ وہ جس کو اپنا رہ نما چن کر بھیجتی ہے وہ بک جاتا ہے۔

جو بھی ہم میں سے ابھرتا ہے وہ بک جاتا ہے
جب یہ عالم ہے تو پھر کس کو صدا دی جائے

آج ہندستانی مسلمان ایسی ہی مردہ قیادت کے تابوت کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے گھوم رہا ہے۔ ایسی گونگی اور بہری قیادت سے قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔ جب تک رہ نما حالات سے سینہ سپر نہ ہوں گے، مظالم کی سیاہ رات ختم نہیں ہوگی، حکومت طاقت کی زبان سمجھتی ہے، تجربہ شاہد ہے کہ اکثریتی فرقہ کے لوگ حکومت کی سمپتی کو نذر آتش کرتے ہیں، پٹریاں اکھیڑی جاتی ہیں اور اپنے ناجائز مطالبوں کو منوانے کے لیے ٹرافک جام کیے جاتے ہیں۔ حکومت ان کے سامنے جھکتی ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارا ایک بھائی ناجائز مقدمات میں پھنسایا جاتا ہے، اس کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے کر دیا جاتا ہے، لیکن کوئی آواز بھی اس ظلم کے خلاف نہیں اٹھتی۔ ماضی میں بیش تر ایسا ہوا ہے جیسا کہ آپ نے اداریہ میں لکھا ہے کہ جرم کسی کا تھا، لیکن سزا بے چارے مسلمانوں کو دے دی گئی۔ دہشت گرد مسلمان کو بنا دیا گیا۔ بٹلہ ہاؤس کی کہانی اس کی تازہ ترین مثال ہے۔

مجرم تو آکے چھپ گیا منصف کی گود میں
حیرت تو یہ ہے سولی چڑھائے گئے ہیں ہم

آج سیاست کے گلیاروں میں ایسا ہی ناپاک کھیل کھیلا جا رہا ہے کہ ہر کوئی مسلمانوں کا استحصال کر رہا ہے، ہر پارٹی ہماری اجتماعیت کو منتشر کر کے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کر رہی ہے۔ کبھی مسلمانوں کی منظور نظر کانگریس ہوا کرتی تھی، جس کے دورِ اقتدار میں ہماری صنعتیں تباہ ہوئیں، ہمارے گھر جلا دیے گئے، ہماری عزتیں لوٹی گئیں۔ ہم نے ہمیشہ صلح پسندی کو اپنے لیے چنا اور اس مل کی سالمیت کے لیے اپنا خونِ جگر بھی دینا پڑا تو وہ بھی دیا۔ ہم نے ہمیشہ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنے میں یقین رکھا۔ لیکن ناتھورام گوڈسے کی نسل کو کبھی بھی ملک کی سالمیت راس نہیں آئی۔ انھوں نے ہمیشہ گاندھی کا خون کر کے ملک کی ایکتا اور اکھنڈتا کو نقصان پہنچایا اور پھر بھی گوڈسے اور ٹھاکرے قبیل کے شاطر دماغ ہی ملک کے وفادار رہے، جنھوں نے ملک کے رازوں کو

غیروں کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور تاریخ کا وہ دن بھی ہندستان کی تقدیر کا حصہ بنا جب اس ملک کے شریروں نے اپنے خبیث دماغ سے سازش رچی اور کھدر پوشوں کی رکھوالی میں تاریخی بابری مسجد کو شہید کر ڈالا۔ پوری دنیا نے بھارت کے منہ پر تھوکا اور ہمیں یہ احساس دلایا کہ۔

اسی نے چھین لی سر سے کلاہِ فخر مری
کہ جس کو سر پہ چڑھایا تھا آسماں کی طرح

ان تمام زخموں سے چور ہم نے سیاست میں کچھ نئے چہرے ابھرتے ہوئے دیکھے جنھوں نے برملا یہ کہا کہ ہم سیکولرزم کے جھنڈے کو جھکنے نہیں دیں گے۔ جب رفتہ رفتہ مسلمانوں کا اعتماد بحال ہوا اور ہمارے ملی مسائل پر غور کرنے کی بات سامنے آئی تو بڑے ملائم دل لوگ بھی اپنی ملائمیت کی شان بان باقی نہ رکھ سکے اور ملی درد رکھنے والے ہمارے قائدین کو حاشیے پر لگانے سے باز نہیں آئے۔ دراصل نام کے ملائم لوگوں کو مسلمان تو چاہیے لیکن وہ مسلمان چاہیے جن کی زبان پر قفل لگا ہو اور جی حضوری کے علاوہ دوسرا لفظ یاد ہی نہ ہو۔ اور بد قسمتی سے ایسے لوگوں کی کمی بھی نہیں ہے۔ ملت اور مذہب کا چاہے جو حشر ہو ان کی نوابی بچ جائے، ان کی سیٹ پکی ہو جائے، اس لیے ہماری جمعیت کو نقصان پہنچتا ہے۔

لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جہاں مظلوموں کا استحصال ہوتا ہے اور ان کی آواز کو اس لیے مسترد کر دیا جاتا ہے کہ ان کی آواز میں دم نہیں ہے، وہ نظام دیر پا نہیں ہوتا۔ آج ملت بیدار ہو رہی ہے، رفتہ رفتہ شعور جاگ رہا ہے اور ہماری طاقت کا احساس سیاسی پارٹیوں کو بھی ہو گیا ہے۔ لیکن ہمیں ماضی کی طرح خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ جس تیزی سے اصلاحی اقدام پر گام زن ہوئے ہیں اس میں مزید مہمیز کی ضرورت ہے۔

اے خیابانِ حرم آنکھ نہ لگنے پائے
مجھ کو شب خون کے آثار نظر آتے ہیں

نفیس اختر نوری اشفاقی، حاجی پور، سنبھل

اداریہ نہیں، نوحۂ غم ہے

حضرت مکرم علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج مارچ کا ماہ نامہ اشرفیہ ملا، اس میں آپ کا اداریہ "مرا رفیق مرے غم کا ترجمان گیا" پڑھا۔ یہ اداریہ نہیں، آپ کے رفیق کار مولانا شکیل احمد مصباحی (رحمۃ اللہ علیہ) کی رحلت کی خبر کے ساتھ ساتھ ان کی وفات پر "نوحۂ غم" ہے، ان کی رفاقت اور ان کی علمی خدمات پر بھر پور خراج عقیدت تھا۔ مجھے اس خبر نے غم زدہ کر دیا، مجھے آپ کے غم نے دل فگار بنا دیا، مجھے اس اندوہ ناک خبر نے صدمے سے دو چار کر دیا۔

ع: اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہاے ہاے!

میری محفل میں بیٹھے علماے کرام نے جب یہ خبر پڑھی تو دل گیر ہوئے، دعاے مغفرت کے لیے آپ کے شریکِ غم ہوئے۔ پاکستان میں اشرفیہ کے قارئین اظہارِ ملال کرتے ہیں اور فون پر آپ کو پیغام پہنچاتے رہے۔ ہم پاکستان میں ہزاروں نیاز مند حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں۔ "اللّٰھم نوِر قبرہ."

یہ جوان سال فاضل یگانہ اہلسنت کی صحافی دنیا کا بلند پایہ اسکالر، نہ صرف جامعہ اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ کو نا قابلِ تلافی نقصان دے کر دنیا سے رخصت ہوا بلکہ قارئینِ اشرفیہ کو اپنے علمی اور مسلکی فیضان سے محروم کر گیا۔ ان کی تحریریں ملتی تھیں۔ اشرفیہ کی اشاعت میں ان کا کردار ہمارے لیے نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ میں ذاتی طور پر جب فون کرتا، ان کی آواز مجھے لبیک کہتی۔ آج میں نے تین بار فون کیا، گھنٹی بجتی رہی مگر صداے برنخواست۔

ع: اہلِ دل کے قافلے کن وادیوں میں کھو گئے

اللہ تعالیٰ اس جواں سال عالمِ دین کی مغفرت فرمائے اور حضور نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادرِ رحمت سر پر سایہ فگن رہے۔

میری طرف سے جامعہ اشرفیہ کے اراکین، اساتذہ، طلبہ اور ان کے غم زدہ والدین، ان کے صدمے سے نڈھال خاندان کے افراد کو میرا اظہارِ غم پہنچائیں۔ آپ کے مارچ کے رسالہ میں اہلِ قلم نے ان کی رحلت پر جن الفاظ میں اظہارِ غم کیا ہے حرف حرف میرا غم ہے، پاکستان کے علماے اہل سنت کا غم ہے، مولانا ہارون مصباحی، مولانا محمد عبد المبین نعمانی، مولانا افضل مصباحی، مہتاب پیامی اور دوسرے احباب نے جن الفاظ میں اظہارِ غم کیا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے میرا غم سمیٹ کر اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

آپ ایک عزیز رفیق کار سے محروم ہو گئے۔ آپ کو اس صدمہ سے زیادہ دو چار ہونا پڑا اور آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ میں آپ کا شریک غم ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دے اور آپ اشرفیہ کو اچھے انداز سے جاری رکھ کر مرحوم کی روح کو ہدیہ تحسین پیش کرتے

رہیں، اللہ تعالیٰ نائب مدیر کی مغفرت فرمائے (آمین)۔ والسلام

شریکِ غم، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

(مدیر اعلیٰ جہانِ رضا لاہور) مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

زمانہ اُس کو ادب سے سلام کرتا ہے

مدیر محترم سلام ورحمت

نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی کی رحلت کی خبر پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ میں تو انھیں صرف نائب مدیر کی حیثیت سے جانتا تھا، مگر ان کی گوناگوں خوبیوں کا تذکرہ پڑھ کر ان کی صلاحیتوں کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں اپنی جوارِ رحمت میں بلند مقام عطا کرے، آمین۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ایسے اشعار جنم لیتے ہیں۔

جہاں میں جب بھی کوئی اچھا کام کرتا ہے
زمانہ اس کو ادب سے سلام کرتا ہے

مارچ 2009ء کا شمارہ گوشۂ مولانا شکیل احمد مصباحی کی شکل میں ایک دستاویزی شمارہ ہوگیا ہے۔ اشرفیہ کا معیار بڑھتا ہی جارہا ہے۔ خداوند قدوس اسے نظرِ بد سے محفوظ رکھے اور عمر خضر عطا کرے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ جل جلالہ مولانا شکیل احمد مصباحی کے نعم البدل کے طور پر جلد کوئی ہمدم ومعاون عطا کردے۔ آمین

خیر اندیش۔ ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، نیپال

قلم کار ہیں یا نقل کار

آبروئے صحافت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپریل کا رسالہ وقت سے پہلے دستیاب ہوا، پڑھ کر دل شاد ہوا۔ خاص کر اپنا نام کئی بار پڑھ گیا کہ چلو کسی بہانے ایک بڑے رسالے میں چھپنے کا موقع تو نصیب ہوا۔ امتحان کا وقت ہوتے ہوئے بھی دل ہر کروٹ آپ کی عقیدتوں سے گھنٹوں گھنٹوں سلام کرتا رہا کہ ہمارے استاذ کتنے اچھے ہیں جو اتنے بے کار مضمون شائع کر کے ہماری حوصلہ افزائی فرمارہے ہیں۔ مضامین سب لائق مطالعہ ہیں۔ خاص کر ''غدارانِ اسلام کی خوں چکاں داستان۔ماضی اور حال کے تناظر میں'' پڑھتے ہوئے بڑی خوشی ہوئی کہ ''شکسپیر'' کے اسلوب میں اب ہمارے اردو ادیبوں نے بھی لکھنا شروع کردیا ہے۔ پڑھتے پڑھتے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ یہی مضمون آج سے دس سال پہلے ''شاہین'' میں پڑھ چکا ہوں۔ شک تھا جس کا اظہار دوستوں سے کیا، دوست بھی دوست ہی ہوتے ہیں، فوراً کہہ اٹھے ''تاج صاحب کی غلطی کیا پکڑلی تم نے کہ اپنے آپ کو قلم کی دنیا ولیِ کامل سمجھنے لگے'' مرتا کیا نہ کرتا، چپی سادھ لی۔ ایک دن اتفاق سے مولانا ابرار مراد آبادی کے سامنے اپنے شک کا اظہار کیا کہ بھائی نسیم حجازی (مرحوم) صاحب تو آپ کے بدایوں سے نام بدل کر لکھ رہے ہیں اور انھوں نے اپنی کتاب شاہین کا ہی پورا ایک کردار نقل کردیا ہے۔ میرے پاس کتاب نہیں ہے اور نہ ہی لائبریری سے دستیاب ہوسکی ہے۔ اگر آپ کہیں دیکھ لیں تو مناسب ہے۔ موصوف نے ایک دن خبر دی کہ **''ارے بھائی! آپ نے سچ ہی کہا تھا وہ مضمون جزوی ترمیم کے ساتھ من وعن نقل ہے''۔**

اصل میں تقسیمِ وطن کے بعد پاکستان میں کچھ ایسے اہلِ قلم پیدا ہوئے جن کو ''بہت زیادہ پڑھے لکھے'' لوگ ''تاریخ نگار'' سمجھتے ہیں حالاں کہ میں ان کو ''ناول نگار'' سمجھتا ہوں جنھوں نے اپنے جمالیاتی قلم کی تسکین کے لیے نئے نئے کردار تلاش کیے اور تاریخ کا دمکتا ہوا چہرہ تاریخ ہی کی کالی شام میں چھپانے کی کوشش کی۔ نسیم حجازی ان میں سے ایک ہیں۔ جو اپنے ہر ناول میں کم از کم تین کردار تلاش کرتے ہیں اور الگ الگ چیپٹر (Chapter) کے طور پر بیان کرتے ہوئے اخیر میں اختتام کرتے ہیں۔ شاہین بھی اسی میں سے ایک ہے جس کے ایک کردار کا کچھ حصہ اسماعیل بدایونی صاحب نے ''نقل مارا'' ہے میرے خیال میں مضمون کا عنوان ''غدارانِ اسلام کا ماضی شاہین کے آئینے میں اور حال......'' ہونا چاہیے۔ چلیے نہیں ہوا تو کیا ہوا، اسماعیل بدایونی صاحب اپنے ذہن میں ایسا کرلیں گے۔

میں بھی چوں کہ خیر سے مولوی ہی ہوں، اس لیے ''ان اکرمکم عند اللہ اتقکم'' کی تخصیص سمجھ سے بالاتر ہے ''باب الفضائل'' کی دوسری حدیثوں کے ساتھ حجۃ الوداع کے ان الفاظ ''گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں'' کو ہنوز سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اگر مولانا ساجد رضا مصباحی ہماری ''الجھن کا ازالہ'' فرمائیں تو بہتر ہے۔

اخیر میں اسماعیل بدایونی صاحب کو اتنی اچھی ''ہیڈنگ'' کے لیے مبارک باد دیتا ہوں۔ از: **محمد رضی احمد**، ارریہ۔ متعلم جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نوٹ:۔عزیزم معاف فرمائیں۔ عنوان میرے قلم کا ہے، موصوف کا عنوان ''شہیدوں کی پکار'' تھا جو باقی رکھا گیا ہے۔ مولانا ساجد رضا مصباحی

سے مطلبہ توضیح بھی اچھا لگا۔ ہمیں ان کے جواب کا انتظار رہے گا۔ آپ خوب لکھ رہے ہیں، لکھتے رہیے۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

لگا ساؤتھ افریقہ میں اشرفیہ کی حکومت ہے

مدیر محترم جناب مبارک حسین مصباحی صاحب! سلام مسنون۔

ایک عرصہ سے جنوبی افریقہ کے دورے کا ارادہ کررہا تھا مگر میرا دانہ پانی اس سرزمین کے لیے نہیں اٹھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اور چھ مارچ 2009ء کو میں جوہانس برگ کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ یہاں سے ڈربن کے لیے مقامی فلائٹ تھی۔ جمعہ کا دن سفر کی نذر ہوگیا۔ ڈربن میں میرا قیام اپنے ایک مرید حافظ زبیر لیمالیا کے بنگلے پر تھا۔ سنیچر کے دن سے ہی لوگوں کی آمد شروع ہوگئی۔ ان لوگوں سے ملنے اور ان سے گفتگو کرنے میں مجھے کوئی دشواری یوں نہیں تھی کہ میں ان کی زبان یعنی انگریزی سمجھ لیتا تھا اور بول بھی لیتا تھا۔ یہاں حضور مفتی اعظم ہند کے خادم خاص اور ان کے خلیفہ ووکیل درویش الشیخ عبد الہادی قادری رضوی نے میرا غائبانہ تعارف میری انگریزی کتابوں کے توسط سے کرا رکھا تھا۔ جشن عید میلاد النبی ڈربن کی ایک بڑی مسجد میں منعقد کیا گیا جس میں شیخ عبد الہادی امامت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے تن تنہا اپنی ذاتی محنت سے اتنے بہت سے تبرکات جمع کر رکھے ہیں کہ ان کی زیارت کرنے میں ایک پورا دن بھی ناکافی ہو۔ کچھ تبرکات کی زیارت گیارھویں شب میں کرائی گئی۔ اسی رات ذکر کی محفل بھی سجائی گئی۔ ذکر قادریہ جنوبی افریقہ میں ہر کہیں رائج ہے اور لوگ بڑے ذوق وشوق سے اس میں شرکت کرتے ہیں۔ بارھویں شب میں نے گھر پر عبادت میں گزاری۔

میری پہلی تقریر چیٹس ورتھ میں واقع مسجد خالد میں ہوئی جہاں قیصر علی برکاتی مصباحی امامت کرتے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ پہنچ کر ایسا لگا کہ یہاں الجامعۃ الاشرفیہ کی حکومت ہے۔ بیشتر مساجد میں خطیب و امام مصباحی ہیں اور بڑی مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں۔ مسجد خالد میں میری ملاقات نبیرہ مفتی اعظم توصیف رضا خاں صاحب سے بھی ہوئی۔ موصوف ایک گھنٹہ خوب جم کر بولے مگر خالص اردو میں۔ یہاں کے لوگ انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے۔ ان کی اردو بہت کمزور ہے۔ میں نے تخلیق کائنات اور انوار مصطفیٰ کے موضوع پر انگریزی میں تقریر کی۔ ایک نعت بھی پڑھی جس کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ کرنا پڑا۔ مجلس کے اختتام پر مسجد خالد کے ٹرسٹی داخل سلسلہ ہوئے۔ کچھ اور لوگ بھی برکاتی سلسلے سے منسلک ہوئے۔ میری آمد کی خبر ریڈیو، اخبارات اور کیبل کے ذریعہ اطراف وجوانب پھیلا دی گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملاقاتیوں کا ایک تانتا سا بندھ گیا۔ عصر کی نماز سے مغرب تک پھر مغرب سے عشاء تک نجی مجلسیں میرے میزبان حافظ زبیر کے بنگلے پر منعقد ہونے لگیں۔ لوگ آتے اور اپنے ساتھ ڈھیر سارے سوالات لاتے۔ تبلیغ کے نقطہ نظر سے اس طرح کی نجی مجلسوں کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پہلا جمعہ میں نے رضا اکیڈمی کے ہال میں پڑھایا۔ خطبہ سے پہلے نصف گھنٹے تک جمعہ کی فضیلت اور آداب مسجد پر میں نے انگریزی میں تقریر کی۔ پھر خطبہ پڑھا۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملے۔ بہت جلد ہر زبان پر یہ آگیا کہ انڈیا سے ایک مولانا آئے ہیں جو ہماری زبان بولتے ہیں۔

میرے میزبان نے اپنے بنگلے پر ہی ایک بڑی مجلس کا اہتمام کیا جس میں تقریباً دو سو افراد نے شرکت کی۔ ڈربن کے کافی علما اس مجلس میں شریک ہوئے۔ شیخ عبد الہادی نے یہاں کے ایک خوبصورت اور مقدس شہر کیپ ٹاؤن کے دورے کا پروگرام تیار کیا تھا مگر میں اپنی اہلیہ کی ناسازی طبع کے سبب وہاں نہ جاسکا۔ کیپ ٹاؤن میں بے شمار اولیاء اللہ کے مزارات ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ یہاں ایک جگہ قدرت الٰہی کا وہ کرشمہ موجود ہے جو سورہ رحمٰن میں مرج البحرین کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یعنی یہاں بحر ہند اور اٹلانٹک دونوں سمندروں کا سنگم ہوتا ہے۔

میں نے ساؤتھ افریقہ کے صاحب ولایت حضرت صوفی غلام محمد صدیقی کے آستانے پر بھی حاضری دی۔ صوفی صاحب قبلہ اعلیٰ حضرت کے ہم عصر تھے۔ ڈربن کے علاوہ کئی ایک مقامات پر آپ نے مساجد قائم کیں۔ آپ کے فرزند صوفی بھائی جان کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ میری ایک تقریر ان کے آستانے پر بھی ہوئی۔ دعوتیں تو کافی لوگوں کی طرف سے موصول ہوئیں مگر میں نے اکثر لوگوں سے معذرت کرلی۔

بائیس دن قیام کے بعد 30 مارچ کو میں اپنے وطن عزیز لوٹ آیا۔ اطلاعاً عرض ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ 6/5/4 جون 2009ء کو مارہرہ مطہرہ میں والد ماجد حضور سید العلما علیہ الرحمۃ کا عرس منعقد ہو رہا ہے۔ فقیر برکاتی آپ کو اور آپ کے توسط سے پوری سنی دنیا کو شرکت کی دعوت پیش کرتا ہے۔ والسلام۔ سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی برکاتی

سجادہ نشین، آستانہ مارہرہ مطہرہ۔ برکاتی ہاؤس، ڈونگری، ممبئی۔ 400009

عالمی خبریں

جزیرۂ موریشس (افریقہ) میں عرسِ اعلیٰ حضرت

22/فروری 2009ء مطابق 25 صفر المظفر بروز یکشنبہ صبح 10 بجے سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل پورٹ لوئس، ماریشش (افریقہ) میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے یومِ وصال کے موقع پر عظیم الشان جشن منایا گیا، جس میں ملک وبیرونِ ملک کے مقتدر علماے کرام نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز قاری غلام مصطفیٰ پورٹ لائس نے قرآن حکیم کی تلاوت سے کیا، بعد ازاں عبد الرحمٰن پہلا رضوی اور محمد سلیم رضوی نے گل ہاے نعت ومنقبت کے اشعار پیش کیے، پھر مولانا عبد الحمید رضوی، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا فضل الرحمٰن افضل القادری مراد آباد انڈیا اور خطیب جامع مسجد مفتی محمد اسحاق رضوی پاکستان کے بیانات ہوئے۔ مقررین نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی عبقری شخصیت، عشقِ رسالت اور تجدیدی کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ پھر حافظ وقاری محمد اظفر ایوب رضوی ڈائریکٹر سنی رضوی سوسائٹی پورٹ لوئس کے ذریعہ حلقۂ ذکر ہوا، بعد ازاں صلاۃ وسلام، شجرہ خوانی اور دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ نظامت کے فرائض الحاج عبد الخالق رضوی نے انجام دیے۔

اربابِ اہلِ سنت کے لیے یہ خبر باعثِ مسرت ہے کہ سنی رضوی سوسائٹی کے سامنے وسیع وعریض گارڈن کو گورنمنٹ آف موریشس نے ''سنی رضوی گارڈن'' کے نام سے موسوم کر دیا، جس کی رسمِ اجرا 6/مارچ 2009 بروز جمعہ وزیر اعظم موریشس کے ذریعہ ہوئی۔ اس موقع پر وزیر اعظم کے علاوہ دیگر وزراے مملکت وعمائدین شہر وملک بھی شریک رہے۔ سنی رضوی سوسائٹی کے صدر بھائی عبد الغفور رحمت اللہ رضوی، خازن محمود چیرو رضوی، بھائی اسحاق گورا، بھائی عبد المجید، اسماعیل احمد اور سبھی ممبران نے وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا۔

از: محمد یوسف چیرو رضوی، سنی رضوی سوسائٹی، پورٹ لوئس، ماریشس

جزیرۂ موریشس (افریقہ) میں جلوسِ محمدی

حسب سابق امسال بھی سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل پورٹ لوئس موریشس (افریقہ) میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر متعدد پروگرام ہوئے، جن کی تفصیل درج ذیل یکم مارچ 2009ء بروز یکشنبہ سنی رضوی سوسائٹی کے وسیع وعریض ہال میں جشن نعت کا انعقاد ہوا۔ پروگرام کا آغاز مولانا فضل الرحمٰن افضل القادری مراد آباد (انڈیا) نے قرآن مجید کی تلاوت سے کیا۔ بعد ازاں شعراے اسلام ومداحانِ خیر الانام نے بارگاہِ رسالت علیہ التحیۃ والثنا میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور اپنے اپنے انداز میں عقیدت ومحبت کے گل دستے پیش کیے۔ اخیر میں صلاۃ وسلام اور دعا پر جشن کا اختتام ہوا۔ بعد ازاں شعراے کرام کو اعزازی انعامات دیے گئے۔

9/مارچ 2009ء مطابق 11 ربیع الاول 1430ھ بروز دو شنبہ چارسو اکہترویں گیارہویں شریف کا پروگرام بعد نمازِ عصر شروع ہوا۔ سوسائٹی کے ڈائریکٹر حافظ قاری محمد اظفر ایوب رضوی نے تلاوت قرآن کریم سے آغاز کیا، پھر محمد سلیم رضوی نے ہدیۂ نعت ومنقبت پیش کیا۔ بعد ازاں مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی پرنسپل جامعہ انوار القرآن بلرام پور انڈیا کا خطاب ہوا۔ اخیر میں حضور عزیز ملت علامہ الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (انڈیا) کا بصیرت افروز بیان ہوا۔ پھر حلقۂ ذکر صلاۃ وسلام اور دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا، بعد ازاں لنگر تقسیم کیا گیا۔

10/مارچ 2009ء مطابق 12/ربیع النور 1430ھ بروز سہ شنبہ بوقت صبح صادق سنی رضوی سوسائٹی کے ہال میں جشن میلاد شریف کا اہتمام ہوا جس میں سرکارِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں گل ہاے نعت پیش کیے گئے۔

بعد نمازِ فجر جلوسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری شروع ہوگئی۔ ٹھیک 10 بجے دن میں عظیم الشان جلوس شہزادۂ حضور حافظ ملت عزیز ملت علامہ الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ کی سرپرستی ومولانا حسان رضا خاں صاحب قبلہ بریلی شریف اور دیگر علماے کرام کی معیت میں سنی رضوی گارڈن سے روانہ ہوا۔ یہ جلوس پورٹ لوئس (راج دھانی) کی شاہ راہوں سے گزرتا ہوا 11/بجے دن میں سنی رضوی سوسائٹی کے پاس آکر عظیم الشان جلسہ میں تبدیل ہوگیا۔

جلسہ کا آغاز حافظ قاری محمد اظفر ب رضوی نے تلاوت قرآن کریم سے کیا، پھر محمد سلیم رضوی، محمد عبد الرحمٰن پہلا رضوی نے نعت مصطفیٰ گنگنائی۔ بعد ازاں مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا فضل

الرحمٰن افضل القادری مراد آباد، مولانا حسان رضا خاں بریلی شریف، مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی بلرام پور کے بیانات ہوئے۔ اخیر میں حضور عزیز ملت قبلہ نے میلاد النبی کی عظمت اور اہمیت پر نہایت ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ صلاۃ وسلام اور حضرت مولانا حسان رضا خاں کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد لنگر تقسیم کیا گیا۔ نظامت کے فرائض الحاج عبد الخالق رضوی نے انجام دیے۔

از: محمد یوسف چیرو رضوی، سنی رضوی سوسائٹی، پورٹ لوئس، ماریشس

مولانا قمر مصباحی کو حسان اردو انٹرنیشنل ایوارڈ

بزمِ حسان انٹرنیشنل نعت اکیڈمی ہوسٹن امریکہ کے بانی وصدر حضرت مولانا قمر الحسن قادری قمر بستوی کو انکی نعتیہ شاعری پر اردو مرکز انٹرنیشنل لاس اینجلس کیلی فورنیا نے گراں قدر ایوارڈ سے نوازا ہے۔ مولانا موصوف نے 1997ء میں ''بزمِ حسان انٹرنیشنل نعت اکیڈمی ہوسٹن'' قائم کی جو اب تک پوری شان وشوکت کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اس عرصہ میں ان کی نعت پاک کے تین مجموعے یکے بعد دیگرے منظرِ عام پر آئے: ''یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر، یا ایہا النبی'' جب کہ چوتھا مجموعہ ''یا ایہا الرسول'' طباعت کے لیے تیار ہے اور پانچواں مجموعہ نعت نیز آہنگ فکر نظموں کا مجموعہ ترتیب کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔

شمالی امریکہ میں اردو کی خدمات کے حوالے سے ''اردو مرکز انٹرنیشنل لاس اینجلس، کیلی فورنیا ایک معتبر نام ہے، جو 80ء کی دہائی میں قائم کیا گیا تھا اور 1988ء سے اس ادارہ نے ایوارڈ دینا شروع کیا۔ اس کے کئی ایوارڈ مختلف ناموں سے دیے جاتے ہیں۔ حسان اردو ایوارڈ 2008ء کے لیے مولانا قمر بستوی کا نام منتخب کیا۔ اردو مرکز کے ذمہ داران دنیا بھر سے آئی ہوئی تصنیفات اور تحقیقات کا پہلے جائزہ لیتے ہیں پھر اتفاقِ راے سے ایوارڈ کے لیے کسی نام کا انتخاب کرتے ہیں، چناں چہ اردو ادب میں حمد، نعت، اور منقبت کی اصنافِ سخن میں خدمات کی وجہ سے 2008ء کے ایوارڈ کے لیے مولانا قمر بستوی کا نام منتخب کیا گیا۔ اس ایوارڈ میں 2000 ڈالر نقد اور ایک شیلڈ دی جاتی ہے۔ مولانا قمر بستوی کو ان کی مندرجہ بالا حمدیہ نعتیہ اردو منقبتی شاعری پر یہ ایوارڈ 8/نومبر 2008ء کو سنیچر کو انٹرنیشنل مشاعرہ 2008ء میں لاس اینجلس کیلی فورنیا میں دیا گیا۔

اس مشاعرہ میں ہندستان، پاکستان، چین، دوبئ، کنیڈا اور امریکہ کے مختلف شہروں کے باذوق اربابِ قلم اور صاحبانِ سخن موجود تھے۔ انٹرنیشنل مشاعرہ 2008ء کے سالانہ مجلّہ میں مولانا موصوف کا تعارفی خاکہ، عکس تحریر اور کلام کو بھی خاص جگہ دی گئی۔ مشاعرے میں مولانا قمر بستوی نے نعتیں اور غزل سنا کر خراجِ تحسین حاصل کیا۔ یقیناً یہ کامیابی بزمِ حسان انٹرنیشنل نعت اکیڈمی ہوسٹن کے لیے باعثِ فخر ہے اور صنفِ نعت کے حوالے سے مولانا قمر بستوی کی خدمات کا برملا اعتراف۔ بزمِ حسان انٹرنیشنل نعت اکیڈمی اپنے بانی وصدر کی اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتی ہے۔

از: جنرل سکریٹری بزمِ حسان انٹرنیشنل نعت اکیڈمی، ہوسٹن امریکہ

☆☆☆☆☆☆

(ص:46 کا بقیہ)......

مگر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا کہ مسلسل رابطے کے باوجود کئی اہم قلم کاروں نے ہم سے اخیر اخیر میں معذرت کر لی... ہمارے بعض قلم کاروں کی عدم توجہی کی وجہ سے کچھ اہم شخصیات کی دینی اور دعوتی خدمات پر مضامین نہ آسکے۔''

مجھے اس اعتراف میں کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوتی کہ اس ''جرم معذرت'' کا مرتکب میں بھی ہوں۔ لیکن امید ہے کہ علیمی صاحب درگذر کر چکے ہوں گے۔ ہم ان کی کوششوں کو سلام کرتے ہیں اور اس ضخیم نمبر کی اشاعت پر انہیں اور ان کے رفقاء کو مبارک باد پیش کرتے ہیں، اس افسوس کے ساتھ کہ اگر ذرا سی اور توجہ دی جاتی تو یہ نمبر بہت گراں قدر ہوتا۔ کیونکہ میرا ماننا ہے کہ ''کام'' اور اچھے ''کام'' کے بیچ بہت معمولی مسافت ہوتی ہے۔ جو شخص ''کام'' کے دشوار گزار مراحل کو طے کر سکتا ہے، وہ اس معمولی مسافت کو بھی طے کر کے ''اچھا کام'' انجام دے سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس معمولی مسافت کو عملاً بہت کم ہی لوگ طے کر پاتے ہیں۔

گزشتہ سطور میں زیادہ تر خامیوں کی ہی نشاندہی کی جا سکی ہے، کیونکہ اگر خوبیوں کی بات کریں تو گنتی کی سطروں میں ان کی نشاندہی ممکن نہیں۔ میں یہ کہنے میں اپنے آپ کو حق بجانب خیال کرتا ہوں کہ ان خامیوں کے علاوہ جس قدر خوبیاں ہو سکتی ہیں دعوت نمبر ان تمام کا حامل ہے اور اسی قدر تعریف وتحسین کے اربابِ سہ ماہی سنی دعوت اسلامی مستحق ہیں۔

خیر و خبر

اہل سنت کی تنظیمی اور تبلیغی سرگرمیاں

مارچ 2009ء کے آخری ہفتے میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے جنرل سکریٹری علامہ مبارک حسین مصباحی نے تنظیمی اور تبلیغی سرگرمیوں کے تعلق سے مغربی یوپی کا دورہ کیا۔ سفر کا آغاز عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی قیادت میں مبارک پور سے ہوا۔ 26مارچ 2009 کو دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی کے جشن زریں میں شرکت کی۔ یہ عالمی سمینار و کانفرنس مبلغِ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ اور قائد انقلاب علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات کے موضوع پر تھا۔ بعد نمازِ مغرب حضرت عزیز ملت کی صدارت میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کی ایک غیر رسمی مشاورتی میٹنگ ہوئی جس میں علامہ لیسین اختر مصباحی، مولانا محمد ادریس بستوی، مولانا معین الحق علیمی مصباحی بمبئی، مولانا شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی ہالینڈ، مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا مبارک حسین مصباحی نے بطور خاص شرکت کی۔ نشست کے بعد ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی نے "مبلغانِ اسلام" کے تعلق سے پیش کیے گئے دو اہم حوالے سنائے جن سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا۔ افادۂ عام کے لیے ایک حوالہ ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔

حضرت مفتی اختر حسین قادری صاحب مدرس دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی ضلع بستی اپنی کتاب کے اندر ایک حوالہ نقل کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس کے متعلق جناب خلیل صاحب رقم طراز ہیں:

علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ہر مذہب کے لوگوں کے درمیان اخوتِ انسانی کے علم بردار تھے تو یہ ناممکن تھا کہ آپ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے اختلاف کو محسوس نہیں کرتے۔ آپ اگرچہ اہل سنت بریلوی مکتب فکر کے نمائندے تھے لیکن جہاں تک فرقہ وارانہ تعصب کا تعلق ہے، اس سے آپ کی ذاتِ گرامی قطعی طور پر بری الذمہ ہے۔ بلکہ آپ نے مختلف اسلامی مکتب فکر کے علما کی ایک تنظیم قاہرہ مصر میں محمد علی علوی پاشا کے تعاون سے قائم فرمائی جس کا نام "تنظیم بین المذاہب الاسلامیہ" رکھا۔ (مبلغِ اسلام، ص:53)

راقم السطور (مفتی اختر حسین) عرض کرتا ہے کہ مختلف کلمہ گو جماعتوں کو دہریت و نیچریت کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ایسا ہی ہے جیسا قرآن مجید فرماتا ہے: قل تعالوالی کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔" (سورہ آل عمران، آیت:60)

(ص:37 علامہ عبدالعلیم میرٹھی حیات اور کارنامے۔ بقلم مولانا اختر حسین قادری، مطبوعہ نورانی مشن، جمداشاہی، ضلع بستی، یو. پی.)

بعد نمازِ عشا اجلاسِ عام میں مفکر اسلام علامہ مبارک حسین مصباحی کا خطاب ہوا۔ موضوع تھا: "عالمی تناظر میں علم اور دعوت کی اہمیت"۔ آپ نے دارالعلوم علیمیہ کی پچاس سالہ خدمات کا اعتراف کیا اور علامہ عبدالعلیم میرٹھی اور علامہ شاہ احمد نورانی کی خدمات پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اور اس کے بعد شب کے ایک بجے مرادآباد کے لیے نکل گئے۔

27مارچ 2009ء بروز جمعہ مدرسہ رضویہ نورالعلوم مہر کا پٹی گجرولہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس "اسلام اور امن عالم" کے موضوع سے منعقد کی گئی جس میں ملک کے مشاہیر علما اور دانش وروں نے شرکت کی۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے حضرت علامہ توقیر رضا خاں بریلوی اور مفکر اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی بھی مدعو تھے۔ تلاوت قرآن اور حمد و نعت کے بعد مولانا شکیل بریلوی نے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے اسلام کی حقانیت اور اس کے آفاقی قانون پر بھرپور روشنی ڈالی۔ انھوں نے اسلام اور حقوقِ انسانی کے تعلق سے مخالفین کی دریدہ دہنی کا منہ توڑ جواب دیا۔ اس کانفرنس میں حافظ ارشاد احمد (اجمیر شریف) بھی مدعو تھے۔ آپ نے اسلام اور دہشت گردی کو اپنا موضوع بنایا۔

مفکرِ اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے "اسلام اور امنِ عالم" کے موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا۔ آپ نے اسلام اور مذاہبِ عالم پر تاریخی گفتگو کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ دنیا آج بھی اسلام کی دعوت پر عمل پیرا ہو جائے تو عالمِ انسانیت امن و شانتی کا گہوارہ بن سکتا ہے، اور دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان اس جمہوری ملک میں بھی غیر محفوظ ہیں۔ ان پر جھوٹے الزام تراشے جاتے ہیں اور بے قصوروں پر سخت دفعات لگا کر سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے، اصل مجرم آرام سے گھومتے رہتے ہیں۔ ہندستانی حکومت کو اس جانب توجہ دینا چاہیے۔ جس ملک کے عوام پریشان رہتے ہیں وہ ملک ترقی کی دوڑ میں کبھی آگے نہیں بڑھتا۔

28/مارچ کو یوسف پارک مرادآباد میں ایک اہم میٹنگ منعقد

ہوئی، جس میں علاقے کے علما اور دانش وروں نے شرکت کی۔ میٹنگ میں مسلمانوں کے موجودہ حالات پر اظہارِ خیال کیا گیا اور علاقے میں فسطائی طاقتوں کی ستم گری اور ان کے استیصال کے طریقوں پر غور کیا گیا۔ عالی جناب یوسف انصاری کی دعوت پر حضرت مفکرِ اسلام یہاں تشریف لے گئے تھے۔ میٹنگ کے اختتام پر علامہ مبارک حسین مصباحی سے جناب نے ایک انٹرویو لیا، جسے ہم ہندی دینک "آج" 29/مارچ 2009 کے حوالے سے یہاں نقل کرتے ہیں:

"تنظیم ابنائے اشرفیہ کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہا ہے کہ مرادآباد لوک سبھا سیٹ اظہرالدین آسانی سے نکال لے جائیں گے۔ اظہر کے اسپورٹس مین ہونے کی شخصیت دیگر سیاسی پارٹیوں کے امیدواروں پر بھاری پڑ چکی ہے۔ وہ ہندو اور مسلمان دونوں میں یکساں مقبول ہیں۔ مرادآباد لوک سبھا کے عوام کے لیے وہ بہترین رہ نما ثابت ہوں گے۔

مولانا مصباحی آج حاجی یوسف پارک واقع قصبہ رحمت نگر میں دینک آج کے نمائندہ سے رسمی گفتگو کر رہے تھے۔ مولانا نے متعدد سیاسی معاملات پر بے خوف گفتگو کی۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے جنرل سکریٹری نے صاف لفظوں میں کہا کہ وہ سماج وادی طرزِ فکر کے قائل رہے ہیں اور اب بھی ہیں اور زیادہ تر موقعوں پر انھوں نے سماج وادی پارٹی کی حمایت بھی کی ہے۔ لیکن کلیان سنگھ سے ملائم سنگھ یادو کی سیاسی دوستی کو لے کر مسلمانوں میں گہری تشویش ہے۔ حالاں کہ ملائم بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ کلیان سنگھ بابری مسجد کا قاتل ہے۔ ملائم سنگھ اور امر سنگھ کی نظر میں کلیان سے سیاسی دوستی کرنے کا آئندہ لوک سبھا الیکشن میں کوئی فائدہ ہو سکتا ہوگا لیکن عام تاثر یہ ہے کہ اس سے سپا کو نقصان پہنچے گا۔

یہ پوچھے جانے پر آئندہ لوک سبھا الیکشن میں اتر پردیش میں سپا کتنی سیٹیں لے گی۔ اس پر مولانا نے جواب دیا کہ اس سوال پر قبل از وقت کچھ کہنا درست نہ ہوگا۔ ایک اور سوال کے جواب میں مولانا نے کہا کہ اتر پردیش کا مسلمان پارٹی کو نہیں بلکہ کینڈیڈیٹ کو دیکھ رہا ہے، اسی وجہ سے میں کہہ رہا ہوں کہ اظہرالدین شخصیت کے معاملے میں سپا امیدوار پر بھاری پڑ رہے ہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں مولانا نے کہا کہ وہ ہندو اور مسلمان دونوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ سیکولر امیدوار کو ووٹ دیں۔

بین الاقوامی شہرت یافتہ ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ کے سلسلے میں یوسف پارک آئے مولانا مصباحی نے کہا کہ ملک میں مسلمانوں میں انصاریوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ آزادی سے پہلے اور اس کے بعد ہمیں نظر انداز کیا گیا۔ نظر انداز کیے جانے کی وجہ مولانا نے غربت، اقتدار سے دوری، جہالت اور بڑی برادریوں کے تعصب کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

مولانا نے انصاری اور دیگر مسلم پس ماندہ برادریوں سے اپیل کی کہ کسی کے سامنے کٹورا لے کر بھیک نہ مانگیں، برابری کے ساتھ زندہ رہنا سب کا بنیادی حق ہے۔ اسلام میں چھوٹی بڑی برادری کا تصور نہیں ہے، یہ تصور اسلام کے خلاف ہے۔ مولانا نے کہا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو تم میں سب سے زیادہ نیک ہے وہی اللہ کے نزدیک سب سے محبوب اور بلند ہے۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے جنرل سکریٹری نے کہا کہ ہم پورے ملک میں تعلیم کو عام کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

انھوں نے کہا، ملک کے مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھنا چاہیے کیوں کہ دنیا میں وہی قوم ترقی کرتی ہے جو تعلیم یافتہ ہوتی ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کے ساتھ جامعہ طیبہ شاہ آباد رام پور کے ناظمِ اعلیٰ مولانا حسن رضا بھی گفتگو کے دوران موجود تھے۔ نمائندہ آج سے گفتگو کے بعد حضرت مولانا شاہ آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔"

شاہ آباد میں جناب حکیم اسرار احمد صاحب کے مکان پر جامعہ کی میٹنگ ہوئی۔ جناب حاجی امیر حسین صدر مدرس اور جناب شریف احمد خازن صاحبان نے اب تک کی آمد و خرچ کی تفصیل پیش کی اور آئندہ کی ضروریات کی نشان دہی کی۔ جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ نے تعمیراتی کاموں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اب تک نئی زمین پر چھ بڑے ہال تقریباً مکمل ہو چکے ہیں، کام بڑی تیزی سے جاری ہے۔ ادارہ کے مدرسین نے بتایا کہ امسال فارغین کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ جلسۂ دستار بندی کے لیے عوامی دباؤ بڑھ رہا ہے۔ جتنی جلد ہو سکے اجلاس کی تاریخ مقرر کر دی جائے تاکہ تیاریاں شروع کی جا سکیں۔ جامعہ طیبہ کے بانی و مہتمم علامہ مبارک حسین مصباحی نے تمام گوشوں پر فیصلہ کن گفتگو فرمائی اور 29/مارچ کو دس بجے سنبھل کے لیے بذریعہ کار روانہ ہو گئے۔

29/مارچ کو تنظیم ائمۂ مساجد و مدارس اہل سنت کی جانب سے مداله فتح پور سنبھل میں ایک اجلاس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں کثیر تعداد میں علمائے کرام شریک تھے خاص طور سے علاقائی ائمۂ کرام کو مدعو کیا گیا تھا۔

جلسہ کا آغاز قاری محمد مرغوب عالم مدرس مدرسہ اہل سنت تعلیم القرآن کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد مولانا راحت عزیزی مصباحی نے بارگاہِ رسالت مآب میں گل ہائے عقیدت پیش کیے۔ تنظیم کے صدر مولانا نفیس اختر اشفاقی صدر مدرس مدرسہ اہل سنت تعلیم القرآن نے تنظیم کے

اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس تنظیم کے اہداف میں سے ہے کہ تبلیغِ دین کے سلسلے میں ائمۂ کرام کے اندر بیداری پیدا کی جائے تا کہ بد مذہب اپنے پاؤں نہ پسار سکیں۔ مولانا نے یہ بھی کہا کہ مسلمانوں میں اسلامی شعار کی پابندی کی دعوت دی جائے اور انھیں نماز وغیرہ کا عادی بنایا جائے۔

ائمۂ کرام سے گزارش کرتے ہوئے کہا، آپ حضرات اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے علاقے کے مختلف مقامات کا دورہ کریں اور لوگوں کو اسلامی احکام کی دعوت دیں۔ واضح رہے کہ تنظیمی سرگرمیوں کے متعلق ہر ماہ میٹنگ کی جاتی ہے جس میں تنظیم کی پچھلی تمام کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا ہے اور آئندہ کے لیے تجویز پیش کی جاتی ہے۔ مولانا نے اعلان کیا کہ آئندہ ماہ کی میٹنگ موضع مانڈلی تحصیل سنبھل میں منعقد ہوگی۔

مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری مبلغ دعوتِ اسلامی نے بھی سامعین کو خطاب کیا۔ انھوں نے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں دعوتِ اسلامی کو مثال میں پیش کیا اور تنظیم کے ارکان کو محنت اور دلچسپی سے کام کرنے کی دعوت دی۔

راقم الحروف نے بھی اپنا ایک مقالہ ”ہوتا ہے جادہ پیما اب کارواں ہمارا“ کے عنوان سے پیش کیا۔ بفضلہ تعالیٰ سامعین نے اس کو سراہا۔ علامہ مبارک حسین مصباحی نے ”عصر حاضر اور علما و ائمۂ مساجد کی ذمہ داریاں“ کے عنوان پر خطاب فرمایا، جس میں آپ نے ائمہ و علمائے کرام سے گزارش کے طور پر کہا کہ موجودہ دور میں لوگ اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ انھیں صحیح راستے پر لائیں۔ دعوت و تبلیغ کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ کوئی عام کام نہیں ہے، بلکہ یہ انبیائے کرام کی سنت ہے، علمائے کرام کو اسی اہم ذمہ داری کی وجہ سے انبیا کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ ائمۂ کرام کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کی خدمات کو سراہا اور فرمایا کہ اگر آپ ہمت و حوصلہ سے کام کریں گے تو وہ دن دور نہیں کہ آپ کی محنت رنگ لائے گی اور لوگوں میں دین سے محبت کی سچی تڑپ پیدا ہوگی۔ اللہ رب العزت اس تنظیم کو روز بروز ترقی کی راہوں پر گامزن فرمائے اور مولانا نفیس اختر نوری کے حوصلوں میں سمندروں جیسی وسعت اور پہاڑوں جیسا استحکام عطا فرمائے۔

حضرت نے فرمایا کہ ہم نے گزشتہ سال ہفتہ وارانہ ”محفلِ درس“ کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ ملک کے مختلف علاقوں میں تنظیم ابنائے اشرفیہ سے وابستہ علما اور ائمہ یہ پروگرام بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ آپ سے بھی گزارش ہے کہ اپنی اپنی مسجدوں میں یہ پروگرام شروع کریں۔ حضرت نے محفلِ درس کے اصول اور طریقۂ دعوت پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ جو لوگ اسے شروع کرنا چاہیں وہ تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور سے تفصیل طلب کر سکتے ہیں۔

مولانا کامل مرادآبادی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ اجلاس میں کثیر تعداد میں علما و ائمۂ کرام نے شرکت کی۔ چند اہم نام یہ ہیں۔ مولانا نفیس اختر اشرفی، مولانا حسن رضا ناظم اعلیٰ جامعہ طیبہ شاہ آباد، قاری رئیس احمد اشرفی بانی مدرسہ گلشنِ فاطمہ بلاری، حافظ ریاست اللہ، مولانا نور الحسن مصباحی، مولانا مہتاب عالم، مولانا مشرف حسین، مولانا صداقت حسین شہر امام بلاری اور مولانا مزمل مدرس مدرسہ اہل سنت تعلیم القرآن حاجی پور، شہزادۂ مفتی اعظم راجستھان الحاج معین الدین، صدر اجمل العلوم، سنبھل۔

اس اجلاس کے بعد رات میں حضرت مفکرِ اسلام نے فتح پور ابو میں ”آمدِ مصطفیٰ کانفرنس“ کو خطاب کیا، جس میں ظہورِ قدسی کے انوار و برکات اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو موضوعِ سخن بنایا۔ دورانِ خطاب سامعین پر ایک وجد کا عالم طاری تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر دنیا انبیائے کرام کی جلوہ گری کے فلسفے کو سمجھ لے تو مسلمانوں میں بدعقیدگی کا خاتمہ ہو جائے۔ حضرت نے اپنے اس دعوے کو دین و دانش کے کثیر دلائل سے مبرہن کیا۔ آخر میں ہندستان کی تعمیر و ترقی میں مدارس کے کردار پر روشنی ڈالی۔ مدارس کی نمایاں خدمات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ مدارس نے ہندستان کو وہ جیالے دیے جنھوں نے غلام ہندستان کی آزادی کے لیے، اپنے سردھڑ کی بازی لگا دی، مگر افسوس ان کی خدمات کو فراموش کر کے آج کچھ فتنہ پرور عناصر ان پر دہشت گردی کا الزام لگا رہے ہیں۔

علامہ نے مسلمانون کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ آپ ہر محاذ پر اتحاد اور باہمی اخوت و محبت کا مظاہرہ کریں، اسی میں آپ کی فلاح ہے۔ اپنے خطاب کے بعد آپ رات ہی میں مبارک پور کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ خادم شریکِ سفر رہا۔

از: محمد ابرار عزیزی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

پیر طریقت حضرت علامہ صوفی نظام الدین مصباحی

انتہائی غم کے ساتھ یہ خبر دی جا رہی ہے کہ اہل سنت و جماعت کی عظیم شخصیت پیر طریقت محدث بستوی حضرت علامہ صوفی نظام الدین برکاتی مصباحی بذریعہ ٹرین دہلی تشریف لے جا رہے تھے۔ چار خادم ان کی بوگی میں موجود تھے۔ موصوف رات کے کسی حصے میں ٹرین سے غائب ہوگئے۔ شدید تلاش جاری ہے، مدارس و مساجد میں دعائیں جاری ہیں، مگر تادمِ تحریر ان کی کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ یہ حادثہ 10 ر اپریل 2009ء کی شب کا ہے۔

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.) - 276404 (INDIA) Phone: (05462) 250092, 250149, Fax: 251448

http://www.aljamiatulashrafia.org E-mail: info@aljamiatulashrafia.org